چھوٹی ممی (مرحومہ)

اور

چھوٹے پاپا

کے نام

پہلی غیر موجودگی

گرگری کلف

ٹامی کو صبح کی سیر کرانے کے بعد بابو جسونت سنگھ باقاعدہ اُسے واپس گھر چھوڑنے نہیں جا سکے۔

گھر سے نکلتے ہوئے اُنہیں دیر ہوگئی۔ قبض کے پرانے مریض ٹھہرے۔ بواسیر کی شکایت میں ان دنوں اضافہ ہوا ہے۔ پیٹ صبح لوٹا بھر پانی پی لینے کے باوجود ٹکڑوں میں صاف ہوتا ہے۔ مسّے رہ رہ کر رِستے رہتے ہیں۔

عین نکلنے کے وقت پیٹ میں اینٹھن سی ہوئی۔ رُکنا پڑا۔ یوں تو بابو جسونت سنگھ نے ترپھلا میں پنچسکار کے ساتھ قائم چورن ملا کر رکھا ہوا ہے۔ تاکہ تکلیف کم ہو۔ تکلیف کم ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ رات میں پھنکی لیتے ہوئے البتہ وہم ڈھارس بندھائے رکھتا ہے کہ اُن کی اگلی صبح غیر تکلیف دہ ہوگی۔ مگر اگلی صبح اور اُس کے بعد اگلی صبح کا انتظار پریشانیوں کو کم کرنے میں معاون ثابت نہیں ہوتیں۔ اب خون سے بھرا 'کموڈ' دیکھ کر اُنہیں گھبراہٹ ہونے لگتی۔ 'ہم اپ' گولیوں کی خوراک اُنہوں نے بغیر ڈاکٹری صلاح کے بڑھالی ہے۔ خون کچھ تو بنے۔ کیسے بھی بنے۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ بغیر ڈاکٹر سے پوچھے اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ مجبوری ہے۔ ایک تو اُن کے ڈاکٹر، ڈاکٹر سکسینہ کان پور میں جو بیٹھے ہوئے ہیں۔

جبر ٹامی کی جبری پر بابو جسونت سنگھ کو غصہ آ رہا۔ کمبخت بے حرکت نہیں کھڑا رہ سکتا۔ سوں......سوں زمین سونگھ رہا ہے۔ کُھروں سے مٹی کُھرچنے لگتا ہے۔ گلے سے عجیب وغریب آوازیں نکالتے ہوئے چھوٹ بھاگنے کی ادا

اختیار کر اُنہیں ڈرانے لگتا کہ اب وہ اُنہیں گھسیٹے بغیر نہیں بھاگنے کا۔ بابو جسونت سنگھ ہیں کہ ایک لمحہ کو بھی وہ پُلیا چھوڑ اِدھر اُدھر ہونے کو راضی نہیں ہیں۔ پُلیا چھوڑ آگے بڑھنے کا مطلب ہوگا اپنی ملاقاتی جگہ سے ندارد ہونا۔ جو وہ قطعی نہیں ہونا چاہتے۔

یہ بھی جانتے ہیں بابو جسونت سنگھ کہ فارغ ہونے کے وقت ٹامی ایسی ہی بے چینی سے گزرتا ہے۔ فارغ ہو لینے کے بعد بھی یہ بے چینی اُن کی سمجھ سے پرے ہے۔ ہوسکتا ہے، اُس کا یہ اُجڈ برتاؤ اُس کی مرضی کے خلاف کھڑے رہنے کی دھمکی ہو! اپنی ضرورت کے وقت اکثر بابو جسونت سنگھ نے اُسے بڑا سمجھدار بنتے پایا ہے۔ اُن کی ضرورت کے وقت حرامی ایسا بن رہا ہے جیسے اُسے کچھ سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں، نہ اُسے سمجھ میں آرہا ہے کہ آخر وہ اُسے لئے اِس خاص پُلیا پر دُھنی سی گڑے ہوئے کیوں کھڑے ہیں۔

اُنہیں ٹامی کو غصہ کے باوجود گالی نہیں دینا چاہئے۔ بابو جسونت سنگھ نے خود کو ٹوکا۔ بھلے گالی اُنہوں نے من ہی من دی ہو، دی تو؟ عادت اُکھڑنے کی بات ہے۔ اُکھڑی نہیں کہ زبان سے پھسلی نہیں۔ اختیار، وقت رہتے ضروری ہے۔

کان پور سے آتے ہی اُنہیں اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ چلو بیٹے بہو نے ٹامی کی ذمہ داری سونپ کر اُنہیں اپنے گرہستی کی کسی ذمہ داری کے قابل تو سمجھا۔ اب تو اُنہیں یہ بھی لگنے لگا ہے کہ اس گھر میں وہ صحیح معنوں میں کسی کے لئے بزرگ ہیں تو وہ صرف ٹامی ہے۔ پوتے پوتیوں کے ناز نخرے اُٹھانے کا سکھ اُن کی تھالی کا نوالہ نہیں۔

کمبخت کم خراب نہیں۔ علی الصبح اُٹھنے کے لئے لگائے گئے الارم کو سنتے ہی اُن سے پہلے اُٹھ کر چلّانا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے الارم وہ اپنے جگنے کے لئے نہیں اُسے جگانے کے لئے لگا کر رکھتے ہوں۔ کئی دفع بابو جسونت سنگھ ''السانے'' ہوئے نیند اُچٹ جانے کے باوجود الارم کو بجنے دیتے لیکن ٹامی کو الارم برداشت نہ ہوتا۔ پنجے اُچکا کر وہ تپائی پر سے گھڑی نیچے گرا دیتا۔ ٹامی کی اس حرکت کو وہ زیادہ نہیں جھیل پائے، بیٹے نریندر سے شکایت کر اُنہوں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔ اُن کے کمرے میں اُسے نہ باندھا جائے۔ غصّہ آنے پر وہ اُن پر بھی جھپٹ سکتا ہے۔ جانور کا بھروسہ؟ نریندر نے اُن کے اعتراض پر کوئی بحث نہیں کی۔ ٹامی پیچھے میں بندھنا شروع ہو گیا۔ سُنینا کے چہرے پر اس ناپسندیدہ موضوع کی ناراضگی کئی دنوں درج رہی جیسے بابو جسونت سنگھ نے ٹامی کو آتے ہی گھر نکالا دلوا دیا ہو۔ دل میں آیا کہ تھوڑا منہ پھٹ ہو لیں۔ اُس کا کمرہ گھر کا سب سے بڑا کمرہ ہے، اپنے کمرے میں باندھ لینے میں حرج؟

یہ بھی سوچا ہے بابو جسونت سنگھ نے کہ اُن کے نیوز سننے سے ٹامی کی کٹّر دشمنی ہے۔ آگے چل کر معاملہ پکڑ میں آیا کہ خبروں سے اُس کی دشمنی نہیں ہے۔ زبان سے ہے۔ انگریزی خبر لگانے پر اس کی کِکواہٹ نہیں پھوٹتی۔ اُن کے 'آج تک' لگاتے ہی بھنک شروع ہو جاتی ہے۔ مشکل سے خبر بھر سن پاتے ہیں کہ ٹامی کی کِکواہٹ اور غرّاہٹ میں تبدیل ہوتی بیٹھک میں دہشت پھیلانے لگتی۔ بہو سنینا سے ٹامی کی ناراضی برداشت نہ ہوتی۔ دخل دیتی ہوئی اُنہیں ٹوکتی ___ کوئی میوزک چینل لگا دیجئے نا بابو جی! 'آج

تک' کا کیا ہے۔ چوبیسوں گھنٹے چلتا ہی رہتا ہے۔

ریموٹ صوفے کے ہتّھے پر ٹکا بےچین بابو جسونت سنگھ اُٹھ کر اپنے بالکنی والے کمرے میں آ جاتے۔ 'محبوب میرے' محبوب میرے تیری آنکھوں سے ذرا پینے دے' فحش ہاؤ بھاؤ سے بھرا گیت کانوں میں پگھلے سیسے سا ٹپکنے لگتا۔ ٹامی کی خاص ادا اُن کی آنکھوں میں تیر جاتی۔ فرش پر پسرے ہوئے اگلی دونوں ٹانگ پر چہرہ ٹکائے وہ سشمتا سین کے نشہ آور خوبصورتی میں کھویا ہوا ہے۔ سمجھ نہیں پائے، نہ کوئی اُنہیں سمجھا ہی سکتا ہے کہ جو زبان ٹامی کو خبروں میں اچھی نہیں لگتی ــــــ سشمتا سین کی اداؤں کے ساتھ کیسے اچھی لگتی ہے؟

پہلے ٹامی کو فارغ کرانے کے بعد بابو جسونت سنگھ سیر میں بھی اُسے اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ کرنل سوامی کی صلاح پر ہی اُنہوں نے طے کیا اور اُن کا کہنا غلط بھی نہیں ہے کہ سیر کے وقت ایک آدمی کو جیسی دماغی سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کے ساتھ ممکن نہیں۔ اوپر سے اُس کی شرارتیں اُن کی عمر کے لئے گھاتک ٹھہریں۔ ٹامی کو تو اُس کی ضرورت پوری کروا کر واپس گھر چھوڑ دینے میں ہی غنیمت ہے۔ کھیل کھلواڑ کی اُس کی خواہش پوری کرنی ہو تو گھر کے جوان ممبر پوری کریں۔ اُن کے بس کا نہیں۔

○○

'ارے ارے، چوٹ زیادہ تو نہیں آئی آپ کو؟ رُکیے، رکیے، جلدی نہ مچائیں اُٹھنے کی۔ لیجئے ہاتھ پکڑیے، بے تکلف ہوئیے۔ گھٹون پر ایکدم سے زور نہ ڈالیں۔ ہاں، اب ٹھیک ہے، پکڑے رہیۓ کندھے۔ کوئی ہمارا

کندھا ٹوٹا نہیں جا رہا۔ ہاں، گڈ! سیدھے کھڑے رہے تو؟ ہوں SS، بانہہ پکڑیے اور دو چار قدم ذرا چل کر دکھایئے...... اب اچھا لگ رہا ہے۔'

ہاتھ بڑھا کر اجنبی نے اُن کے کُرتے کے پیچھے چپکی مٹی اور گھاس پھوس کے تنکے جھاڑے۔ کرتا اُٹھا کر غور سے دیکھا۔ پاجامے کی رگڑ سے ظاہر تھا کہ کنکڑیوں نے جسم کے پچھلے حصّے میں خراشیں دی ہوں گی۔

اس بات سے اجنبی مطمئن نظر آئے کہ اندرونی چوٹ نہیں آئی ہے اُنہیں۔ آئی ہوتی تو اُن کا چار قدم چلنا مشکل ہوتا۔ چوٹ کی چنک قدم نہ بھرنے دیتی۔

گلے میں زنجیر لٹکائے دور کھڑے، آنکھیں ململاتے تماشہ دیکھ رہے ٹامی کو دیکھ تیلی لگ گئی بابو جسونت سنگھ کو۔ دل میں آیا، اجنبی کا لاگ لحاظ چھوڑ اٹھائیں پتھر اور پٹخ دیں اُس کی گردن پر......

'کمال کرتے ہیں آپ بھی' چپل پہن کر کوئی سیر کو نکلتا ہے؟ ہڈیاں تڑوانے کا شوق ہو تو الگ بات ہے۔ اوپر سے دندناتی گولی ساتھ لئے گھوم رہے۔' طنز کیا اجنبی نے۔

'ٹھیک ہے، آپ کا منطق اپنی جگہ درست ہے دوست، لیکن اتنا تو ہوسکتا ہے ــــــ فارغ کرا کر اُسے گھر لے جا کر چھوڑ دیں؟'

'گھر دور ہے؟' اجنبی کو تجسس ہوا۔

'اچھا، اچھا، گلیکسو میں رہتے ہیں؟ وہ تو پاس ہی ہے۔ چلئے ہم آپ کو گھر چھوڑ آتے ہیں۔' اُن کے اشارے کو پکڑا اجنبی نے۔

ہلی چولیں ڈرائے ہوئے تھیں۔ بابو جسونت سنگھ سے منع نہیں کیا گیا۔

دیکھ کر مزا آیا اُنہیں کہ اجنبی کے ہاتھ میں اپنی نکیل پا کر ٹامی 'چھو' 'چھا' چھوڑا یکدم گئو سے ہو آئے لمپٹ۔

'آپ کے گھر کے آس پاس کوئی مارکیٹ نہیں؟ ہو تو شام کو ایک بڑھیا سا کرمچ کا جوتا پہن آئیے۔'

اُن کے تذبذب پر کہ اُنہیں آس پاس کے بازاروں کی خاص جانکاری نہیں، ناز مان وہار سے لگے مارکیٹ میں اُنہیں جوتے کی کوئی دکان ہی نظر آئی ـــــ اجنبی نے اُن سے اُن کے جوتے کا نمبر پوچھا۔ شرمائے ہوئے بابو جسونت سنگھ نے جواب دیا کہ بہت پہلے کا اُن کے جوتے کا نمبر 7 ہے۔ اب نہیں پتہ۔ اُن کے جواب پر اجنبی نے زوردار ٹھہا کہ بھرا کیسی نادانی بھری باتیں کر رہے ہیں وہ۔ کون وہ بڑھتا ہوا بچہ نہیں جو اُن کے جوتے کا نمبر بدل گیا ہوگا۔ سات ہے، سات ہی ہوگا۔

اجنبی نے بیتابی ظاہر کی کہ کیا وہ باقاعدہ اُسی طرف سیر کے لئے آتے ہیں؟ کیونکہ آج سے پہلے اُنہوں نے اُنہیں کبھی اس طرف نہیں دیکھا ـــــ کیوں؟

بابو جسونت سنگھ نے صفائی دی۔ اس طرف وہ سیر کے لئے پہلی دفعہ ہی آئے ہیں۔ دراصل ٹامی کو فارغ کرانے اور گھمانے وہ گھر کی بغل والے بڑے پارک میں ہی جایا کرتے تھے۔ کل اچانک مالی کی نظر اُن پر پڑ گئی۔ اُس نے انہیں ٹوک دیا ـــــ صاحب پارک بچوں کے کھیلنے کے لئے ہے۔ کتے بلیوں کو ٹٹی پیشاب کرانے کے لئے نہیں۔ شکایت درج کرانے پر ان پر جرمانہ لگ سکتا ہے۔

گلیکسو کی پُلیا کی ڈھلان کے نزدیک پہنچ کر بابو جسونت سنگھ ممنویت سے بھر ٹھٹھک گئے اور اجنبی کے ہاتھ سے ٹامی کی زنجیر لینے کو آگے بڑھے۔ اجنبی نے مذاق کیا ـــــ وہ گھبرائیں نہیں۔ اُن کے گھر ناشتہ پانی کرنے کا اُن کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پُلیا سے جڑے ڈھلان کا ناہموار حلیہ انہیں مطمئن نہیں کر رہا کہ وہ انہیں یہیں تک چھوڑ کر پلٹ لیں۔ وہ اُن کی فکر نہ کریں۔ اُنہیں گیٹ تک بحفاظت پہنچائے بغیر وہ نہیں ماننے کے۔ ایک کام وہ ضرور کریں۔ اُن کے گھر میں بچے ہیں؟ بچے ہوں گے تو گھر میں ' آرنیکا' ضرور ہوگی۔ ہو تو گھر پہنچتے ہی ' آرنیکا' کی پانچ چھ گولیاں فوراً منہ میں ڈال لیں۔ تین چار بار دن میں ضرور لے لیں۔ اندرونی چوٹ شام تک بیٹھ جائے گی۔ گھر پر نا ہو تو کسی سے کہہ کر منگوا لیں۔ ' آرنیکا-30 '۔

گیٹ کے نزدیک پہنچ کر بابو جسونت سنگھ کی خواہش ہوئی کہ اجنبی کو گھر چل کر ایک کپ کافی پینے کی دعوت دیں۔ لیکن دعوت دینے کی ہمت نہیں جٹا پائے۔ اِس وقت بہو سنینا، ملنے، نلنے کو اسکول بھیجنے کی تیاری میں مصروف ہوگی۔ باورچی خانہ کے جغرافیہ سے وہ ہمیشہ انجان ہیں کہ خود آگے بڑھ دونوں کے لئے کافی بنا سکیں۔ کان پور سے دہلی آئے ہوئے اُنہیں عرصہ ہو گیا۔ گھر کی چوکھٹ میں داخل ہوتے ہی وہ خود کو انجانوں کی طرح داخل کرتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ کیسے کہیں!

'' آپ کسی دنیا داری میں نہ پڑیں۔'' اجنبی نے اُن کے کشمکش کو بھانپ لیا۔ ' بیٹھیں گے کسی روز۔'

' اِس لاڈلے کو گھر چھوڑ کر ہی آئیں۔'

'بائی دی وے ـــــ ہمیں وشنو نارائن سوامی کہتے ہیں۔ ریٹائرڈ کرنل سوامی۔ نوئیڈا میں رہتا ہوں۔ چھبیس سیکٹر میں۔ گھومنے آپ کی طرف ہی آتا ہوں۔ جمنا کنارے کے لہلہاتے کھیت ہمیں اس طرف کھینچ لاتے ہیں۔ کھیتوں میں کھڑی گنّے کی فصل کی میٹھی مہک نوئیڈا میں نایاب ہورہی۔'

بابو جسونت سنگھ کی جھجک میں کمی ہوئی۔

'میں ہوں ریٹائرڈ سول انجینئر جسونت سنگھ۔ بیٹے بہو کے ساتھ گلیکسو میں ہی رہتا ہوں۔ شکرگزار ہوں......'

'بس، بس! اِس کی ضرورت نہیں دوست۔ مجھے پوری امید ہے کہ کل صبح آپ ٹھیک ٹھاک اُسی پُلیا پر ملیں گے۔ 'آرنیکا' ضرور لے لیں۔ چلوں، ہاتھوں کی گرمجوشی بابو جسونت سنگھ کے ہاتھوں میں سونپ کرنل سوامی مڑ لیے۔

بڑی دیر تک گیٹ پر ٹھہرے ہوئے وہ اُن کی چڑھائی چڑھتی پیٹھ کا پیچھا کرتے رہے، جب تک اُن کی پیٹھ اُن کی نظر سے اوجھل نہیں ہوگئی۔

OO

اور اِس وقت اُسی پُلیا پر کھڑے ہوئے وہ کرنل سوامی کا انتظار کر رہے......

جوتے

ٹامی سے بوریت برداشت نہیں ہو رہی۔ اُوب کر کبھی وہ اُن پر بھونکنا شروع کر دیتا ہے، کبھی سڑک کی طرف منہ کر کے آنے جانے والی گاڑیوں پر۔

پچکارا اُسے۔ سمجھایا۔ اتنی نبھائی ہے تو کچھ دیر اور بھلے مانس کے بیٹھا رہے۔ اُن کی پریشانی پر بھی تھوڑا غور کرے۔ اُنہیں کیسا لگ رہا۔ وہ بھی کم بے چین نہیں ہو رہے کہ کرنل سوامی اب تک پہنچے کیوں نہیں؟ ان کی مشکل یہ ہے کہ وہ کسی حال پلیا نہیں چھوڑ سکتے۔ پلیا چھوڑنے کا مطلب ہوگا ____ کرنل سوامی کو مس کرنا۔ اُن کے دکھائی نہ دینے پر کرنل سوامی کو وہم ہو سکتا ہے کہ آج وہ سیر کو نہیں نکل پائے ہیں۔ رضائی کی آنچ چھوڑنی آسان بات نہیں۔ کمزور جسم والوں کے لئے تو بالکل نہیں اور اُن کے لئے یہ سچ نہیں ہے۔

بابو جسونت سنگھ کو یہ دیکھ خوشی ہوئی کہ اُن کی پچکار کا ٹامی پر ایک خاص اثر ہوا، جس کی کہ اُنہیں قطعی امید نہیں تھی۔ بھونکنا بند کر دیا ٹامی نے۔ چلو، لحاظ تو کیا۔ پٹھے نے سوچا ہوگا، لحاظ کرنا ضروری ہے۔ زیادہ تر ضد پر اڑے رہنے کے باوجود ایک وہی ہیں جو باقاعدہ دونوں وقت اُسے گھمانے لے جاتے ہیں۔ نتھنوں میں وہ سبز دوب کی خوشبو بھر پائے، کھلے آسمان اور پنچ سے دور کھلی دھرتی کو بھر آنکھ دیکھ آنکھوں سے چوکڑی بھر اُسے ناپ پائے، ایسا موقع اسے صرف انہیں سے مہیا ہوتا ہے۔ ان کی لاپرواہی کے نتیجے

بُرے ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس بات کا اُسے گہرا ملال ہے کہ اُس کا کوئی بھی معاملہ آنکھ مٹول کے لمحے بھر کی خوشی سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔ لپٹیں بھرتا دل غدار ہونے لگتا ہے کہ بڈھے کے ہاتھ سے زنجیر جھٹک اُسے پٹخنی دے کر سرپٹ بھاگ لے اپنی کجراری آنکھوں والی کے پیچھے۔ اپنی طرف نہیں دیکھتا۔ ہریش چندر بنا بڈھا کم ٹھرکی نہیں! اُس نے اکثر محسوس کیا ہے۔ یونائیٹڈ اپارٹمنٹس سے لگا بدبو کرتا کچرا گھر کوئی اُس کے پیشاب کرنے کی جگہ ہے؟ مگر ضدی بڈھا جبرن اُسے آگے نہ بڑھنے دیتا۔ ایسا تبھی ہوتا جب شام کو جینس میں کسی گدرائی لڑکیوں کا کھلکھلاتا، چہ میگوئیاں کرتا ہوا جُھنڈ یونائیٹڈ سے نکل کر خبر کے گیٹ سے لگے کھڑے آئس کریم کے ٹھیلے کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ مجبوراً اُسے وہیں ٹانگیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڈھا اُس جگہ سے تب تک نہیں ہلے گا جب تک لڑکیوں کا وہی جھنڈ آئس کریم چاٹتے ہوئے اُس کی بغل سے نہیں گزر جائے گا۔

اُسے قابو میں رکھنے کے لئے بڈھا اب منہ سے ڈانٹنے ڈپٹنے کی بجائے چھڑی سے کام لینے لگا ہے۔ چھڑی لئے بغیر اُسے لے کر نکلتا ہی نہیں۔

بابو جسونت سنگھ دائیں جانب ٹکٹکی لگائے ہوئے اچانک پلیا سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے مرجھائے چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ دور SS نوئیڈا کی طرف سے کچھ دھندلی شکلیں تیزی سے جاگنگ کرتی ہوئی اس طرح آتی دکھائی دیں۔ اُنہیں لگا کہ ان شکلوں میں جو سب سے آگے چلی آرہی ہے، اُس کی چستی اور تیزی دیکھ یہی اندازہ ہورہا کہ وہ کرنل سوامی کی ہے۔ پیچھے والوں کو پچھاڑتی۔ انہیں بے دلی ہوئی جبکہ وہ اس شکل کو

صاف کیوں نہیں دیکھ پا رہے! اُن کی دور کی نظر کمزور تو نہیں ہو رہی۔ دوسرے ہی لمحہ اپنے اُتاولے پن پر بابو جسونت سنگھ من ہی من ہنسے۔ نظر کا رونا چھوڑ کر اُنہیں صبر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کرنل سوامی آ ہی رہے ہیں۔ مگر لمحہ لمحہ واضح ہوتی شکل نے امید پر پانی پھیر دیا۔ نومبر کے آخری دنوں میں بھی کرنل سوامی بالکل سفید ہاف پینٹ اور ٹی شرٹ میں ہی نظر آئے۔ بڑھی چلی آ رہی شکل نے جاگنگ سوٹ پہن رکھا ہے۔ وہ بھی کچھ کالا سا، جو وہ ہرگز نہیں پہن سکتے۔ بلکہ اُنہوں نے تو پسند ناپسند کے سوائے ہوئے جراثیموں کو ان میں بھی جگا دیا ہے۔

اُن میں آئے تبدیلیوں کو بہو سنینا نوٹ کر رہی تھی۔

پہلے ان کی سیر کا وقت مقرر نہیں ہوا کرتا تھا۔ نیند کھلی ـــــ فارغ ہو کر سیر کے لئے چل دیئے۔ اب باقاعدہ رات الارم لگا کر رکھا جاتا ہے۔ ٹامی کے لئے بھی ان کا رویہ بدلا بدلا ہو رہا ہے۔ اسے لے کر نکلے نہیں کہ واپسی کی گھنٹی بجی نہیں۔ دیکھ رہی کہ گھر میں بند پڑا ٹامی رہ رہ کر پریشان رہتا ہے۔ گھر کے باہر جانے والوں کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھ جو ''لٹے تال'' میں اُس کی پونچھ تھرکتی ہے کہ من کچوٹ اٹھتا ہے۔ شروعات میں بہو سنینا نے یہ سوچ کر اُنہیں نہیں ٹوکا کہ بابو جی کو اچانک 'پریشر' محسوس ہوا ہوگا۔ لیکن آگے اُن کے کاموں میں تبدیلی نہ ہوتا دیکھ اُس سے ٹوکے بغیر نہ رہا گیا۔

بابو جسونت سنگھ کو انتظار ہی تھا۔ بلکہ اُنہیں تعجب اس بات پر ہو رہا تھا کہ اب تک اُن کی پیشی ہوئی کیوں نہیں۔

جواب میں اُنہوں نے بہو سنینا کے چہرے پر عجیب وغریب ہوتے کسیلے

تاثر کو اَن دیکھا کرتے ہوئے بے جھجک کہہ دیا۔ شاید پہلی دفعہ۔

ٹامی کے ساتھ لمبی سیر اُن کے لئے ممکن نہیں۔ اُسے سنبھالیں یا اپنے کو؟ اس عمر میں وہ میرے تھان 'دوڑنے سے رہے۔

نہیں چاہتے کہ بڑھاپے میں ہاتھ پیر تڑوا کر وہ اوروں کی رحم وکرم کے محتاج ہو جائیں۔

بہو سینا کو تعجب ہوا۔ معمولی سی بات پر انہوں نے جیسا کڑا اور کڑوا رخ اپنایا، سمجھ نہیں پائی کہ آخر انہیں اس کی واجب بات اس قدر رکھتا کیوں گئی۔

'گڈ مارننگ سر! بھئی لگتا ہی نہیں کہ کل آپ گرے تھے؟'

دلّی رہتے ہوئے پہلی بار شاید اُن کی ہنسی چھوٹی۔

'صاحب، وہ تو آپ سے ملنے کا بہانہ تھا!'

'ہا، ہا، ہا' کرنل سوامی نے زوردار جاندار ٹھہاکہ بھرا۔ کافی دیر تک بابو جسونت سنگھ بھی اُن کے ساتھ ہنسی میں شامل ہوئے۔

ہنسی رو کی گئی۔ رُکتے ہی انہوں نے کہا۔

'تو اب سیر شروع ہو؟'

اچانک اُن کی نظر اُن کے پاؤں کی طرف گئی۔

'بغیر جوتوں کے سیر شروع ہو سکتی ہے؟ پلیا پر ٹکیئے اور اُتاریئے یہ ہوائی چپلیں۔' پیٹھ پیچھے لٹکائے رک سک میں سے انہوں نے فنلکس کے جوتوں کا ڈبہ نکال کر اُن کی طرف بڑھایا ـــــــ 'پہنئے'۔ میں تو بھول ہی گیا تھا'

'دراصل میں......'

'معلوم تھا جوتے کی دکان تلاش کرنے نہیں جاسکیں گے۔ میں لے آیا،

ڈیٹس آل۔'

'اور یہ بھی معلوم تھا دوست۔ آرنیکا بھی نہیں منگا پائے ہوں گے۔' پینٹ کی جیب سے کرنل سوامی نے ایک پتلی سے شیشی نکالی اوران کے کرتے کی جیب میں سرکا دی۔ پھر واپس کرتے کی جیب سے شیشی نکال کر بولے، 'منہ کھولئے۔'

چار پانچ گولیاں اُن کے منہ میں ٹپکا کر، شیشی پہلے کی طرح اُن کے کرتے کی جیب کے حوالے کرتے ہوئے تحکمانہ آواز میں بولے کہ دن میں چار چار گھنٹے کے فرق پر وہ گولیاں کھانا نہ بھولیں۔

ڈبہ سے جوتے نکالتے ہوئے اور پاؤں میں جوتوں کے فیتے کستے ہوئے بابو جسونت سنگھ کا من اچانک جذباتی ہو آیا۔

'فِٹ؟' بابو جسونت سنگھ کے جوتے پہن کر اٹھ کھڑے ہوتے ہی کرنل سوامی کے چہرے پر بچوں جیسی خوشی پھوٹی۔

ان کا بھی تذبذب ٹوٹا۔ اتنے بڑھیا فٹ بیٹھے ہیں صاحب، جیسے دکان سے خود ہی پہن کر آیا ہوں۔

'ہمیں بھی یہی لگا دوست، دکان میں آپ ہمارے ساتھ ہی ہیں۔'

چپلوں کو لے کر بابو جسونت سنگھ کی پس وپیش کا حل ڈھونڈ نکالا کرنل سوامی نے۔

اُسے ڈبے میں بند پلیا کے پیچھے کی جھاڑیوں میں سرکا دی جائے اور واپسی میں اٹھا لیا جائے ــــــ کیوں؟'

بات گلے اُتری۔ رضامندی سے سر ہلایا بابو جسونت سنگھ نے۔

'چلیں؟'

'چلا جائے!' تلووں کے نیچے بچھی کمبل کی سینک سی محسوس کرتے ہوئے بابو جسونت سنگھ کرنل سوامی کی پھرتی کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے۔

پیسوں کی بات نہیں چاہائی۔ یہ سوچ کر کہ ڈبے پر قیمت لکھا رہتا ہے۔ کل صبح سیر سے پہلے لفافہ بنا لیں گے۔ نریندر کی نظر بھی اُن کی چپلوں پر پڑتی ہوگی۔ یہ بھی جانتا ہے کہ ٹامی جیسے شرارتی کے ساتھ ٹہلنا کم جوکھم بھرا نہیں۔ جوتے دلانے کی سُدھ نہیں آئی اُسے؟ آتی تو کیا وہ پاؤں کی بڑھی ہڈی کی ٹیس اوڑھے بیٹھے رہتے!

آنکھوں میں بھربھراہٹ کی دُھند پسر آئی......

اپنے زمانے میں کپڑے اور جوتوں کو لے کر خاصے نقشے باز رہے ہیں وہ۔ جوتوں کو لے کر خاص طور سے۔ نریندر کی اماں کو اُن کا یہ شوق پیسوں کا فضول خرچ لگتا۔ بچوں پر نظم وضبط کے نام پر پائی پائی کا شکنجہ! پنسل چھنگنیاں بھر بھی باقی ہے تو نئی نہیں ملے گی۔ اسکولی جوتوں کے گھسے تلووں پر ٹائر کی ربڑ چڑھوا کر دی جائے گی۔ اسکولی پکنک میں بچوں کا بھیجنا منع۔ پیسے خرچ کر کے کون دن بدن اُن کی فکر میں اَدھ مرا ہوتا رہے گا؟ کتابیں گُمکر دی ہیں تو اُدھار لے کر پڑھیں۔ سختی نہیں ہوگی تو پیسوں کی قیمت سمجھ میں نہیں آئے گی۔ یہ چاہیے، وہ چاہیے ـــــ نہیں چلے گا۔ اُنہیں بھی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ شوقوں کا کیا ہے ـــــ عمر پڑی ہے۔ اپنی کمائی سے پورے کر لیں گے۔ اُن کے وقت میں سختی ہوئی تو عقل بھی ٹھکانے رہی۔ بتیس گاؤں کے تعلقدار کے گھر میں پیدا ہونا معمولی بات

نہیں تھی۔

نریندر کی اماں کو اُن کا جب تب ماضی ''چھینٹنے'' لگنا جھلّا دیتا۔ کہ اُن کی جلّا دی تعلقداری میں اُن کی کوئی دلچسپی نہیں۔ اُنہیں تو صرف اتنا لگتا ہے کہ اُن کی اولادیں آسمان سے نہیں ٹپکیں۔ نہ اُن کے لئے وہ بَگھی پالکی کی مانگ کر رہیں۔ بچے کوئی ایسے نہیں کہ اُن کی آنکھوں میں اُن کے بیسویں جوڑی جوتے سینڈلیں نہ کھٹکیں۔ مثال ہے بغیر بچوں سے صبر کی آس کرنا بغیر تیل دیا سلگانا ٹھہرا! سلگے گا؟

یوں پچیسوں بار اصولی جملہ تھنچ نریندر کی اماں کو اُنہوں نے غیر مسلّح کرنا چاہا کہ عزت و تعظیم محل اٹاری میں نہیں ــــــ آئینہ ہے جوتوں میں بستی ہے۔ جوتے لق دق نہ ہوں تو مرد کی چال مہریوں سی چھچھانے لگتی ہیں۔ مگر اُس کی ٹھس کھوپڑی میں اُن کے سچے قول سیندھ لگائے بغیر ہی پلٹ پڑتے اور وہ جی مسوس کر رہ جاتے۔

کچھ مہینوں پہلے جب وہ کان پور سے دہلی کے لئے چلے تھے تو نریندر کے کہنے پر گرہستی کے ضروری اور غیر ضروری ساز و سامان رکھنے، چھانٹنے کے درمیان یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے تھے کہ ایک بڑے سے لکڑی کے صندوق میں اُن کے جوتوں کو پالش کروا کر پالیتھینوں میں بند کر نریندر کی اماں نے بڑے جتن سے رکھے ہوئے تھے۔

نریندر کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔

حیرت اُسے بابو جی کے جوتا 'پریم' پر نہیں ہوا۔ اُن کے جوتا 'پریم' سے اُس کی واقفیت تھی۔ ہاں، کچھ نے اُسے مختلف کرشمے ضرور کیے۔ لیکن وہ دلکشی

بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔ تعجب ہوا تھا وہ اماں کی سنبھال رکھنے پر۔ لگ رہے تھے جیسے ابھی ہی شوروم سے خرید کر آئے ہوں۔

اخلاقیات نے قلابازی کھائی تھی۔ جذبات چھوڑ نریندر نے کہا تھا۔ جوتوں کو دِلّی ڈھوکر لے جانا اُس کے لئے ممکن نہیں۔ رکھنے اور رکھانے کی جگہ بھی نہیں ہے اور سنبھال کر رکھنے کی فرصت بھی نہیں۔ اُن کے اور اُس کے ناپ میں بھی فرق ہے کہ وہی اُن کا صحیح استعمال کر سکے۔ زیادہ دنوں تک یہاں اس طرح چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔ چمڑے کے اکڑنے اور پھپھوند کھانے میں وقت نہیں لگے گا۔ راستہ صرف یہی ہے کہ گاؤں خبر بھجوادی جائے، کسی جن مجوز کے ہاتھوں تاؤجی انہیں اُٹھوالیں۔ ضرورت مندوں کے کام آجائیں گے۔ بابوجی اپنے استعمال کے لئے جنھیں رکھنا چاہیں، رکھ لیں۔ جاڑے میں ایک آدھ جوڑی لگیں گے ہی۔ جوتوں کی قیمتیں آسمان چھورہی ہیں۔

بابوجسونت سنگھ کو نریندر کی بے تکی آواز اُداس کرگئی۔

صاف منع کردیا۔ ایک آدھ کی بھی ضرورت نہیں پڑنے والی اُنہیں۔ مہنگے ہوں یا سستے۔ برس سے اوپر ہورہا پاؤں کی ہڈیاں بڑھی ہوئی ہیں۔ انجکشن لگ چکے ہیں۔ جوتے اب اُن سے پہنے نہیں جاتے۔ چمڑے کی رگڑ برداشت نہیں ہوتی۔ پچھلا جاڑا انگوٹھے والے موزوں پر ہوائی چپلیں پہن کر کاٹا۔ دہلی میں بھی کاٹ لیں گے۔

رُکھائی سے نریندر نے کہا تھا ـــــ جیسی اُن کی مرضی۔

'وہ دیکھئے! کہاں کھوگئے آپ مسٹر سنگھ۔'

'کھیتوں کے بیچوں بیچ رکھوالوں کی مڑیاّ ؟ کیسی خوبصورت بنی ہے۔ ہمارے کیرل جیسی۔'

'مائی گاڈ!' اُن میناؤں کو دیکھیے ذرا——نالی میں چونچ ڈالے کیسے پانی پی رہی ہیں، جیسے بیاہ کے قطار میں کھانے نہیں بیٹھتے لوگ۔'

'گلی جانتے ہیں کسے کہتے ہیں؟'

اُن کے من میں کوندا، کرنل سوامی کا مطلب گلی ڈنڈے سے تو نہیں۔ مگر ظاہری طور پر سر ہلا کر انجان پن ظاہر کی۔

'گلی معنی چڑیاں۔ گلی گڈو معنی چڑیا ئیں۔ دراصل ہماری ملیالم میں کہتے ہیں کلی کلو۔ ہم نے اُس کا ہندی کرلیا ہے۔

'آپ کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارے گھر میں خوبصورت گلی گڈو ہیں۔'

'پرندوں کا شوق ہے آپ کو؟'

'وہ تو ہے۔' کرنل سوامی منہ بھینچے ہوئے ٹھنکتی ہنسی ہنسے۔ لیکن میری گلی گڈو ہیں۔ میری جڑواں پوتیاں! چہکتی پھدکتی، مستی کرتی، ہڑدنگیں مچاتی، کمدنی اور کلیاینی......اُف کیسی دھمال ہیں دونوں! پوچھیے مت۔'

بابو جسونت سنگھ کی آنکھوں میں تتلیاں اُڑنے لگیں——جڑواں؟ کتنی بڑی ہیں۔

'چار سال پورا کرنے کو ہیں۔ نرسری میں پڑھنے جاتی ہیں۔ پیٹھ پر اسکول بیگ لادکر۔ رنگ برنگی پانی کی بوتلیں اور ٹفن باکس لے کر۔'

اسکول سے لوٹ کر اپنے ٹفن کا بچا کھچا ناشتہ ہی ہمیں نہیں کھلاتیں مسٹر

سنگھ، ناز وادا کے ساتھ کود پھاند نئے سیکھے گیت بھی سناتی ہیں گلی گڈو۔

ہاتھی راجا بہت بڑے
سونڈ اُٹھا کر کہاں چلے
میرے گھر میں آؤ نا
حلوہ پوری کھاؤ نا!

گیت شروع کرنے سے قبل جانتے ہیں، کیا ہوتا ہے؟

کاغذ پنسل تھما، کرسی پر جج بنا بیٹھا دیا جاتا ہے۔ باقاعدہ حکم کے ساتھ دوست ـــــ اپوّ! ہم خوب اچھا گائیں گے ناچیں گے۔ آپ ہم کو اسٹار دیجیے گا میم جیسا۔'

"اور میں دونوں کو دے دیتا ہوں زیرو۔

اور پھر جو چوہے بلی کا کھیل شروع ہوتا ہے، پوچھیے مت! گلی گڈو کی دھر پکڑ سے بچنے کے لئے میں گھر کے کونے کونے تلاش، چھپنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گلی گڈو ہیں کہ ہمیں تلاش کر ہی لیتی ہیں۔ پھر جو سزا سناتی ہیں ـــــ جان منہ کو آجاتی ہیں۔

'اپوّ، کان پکڑ کر بینچ پر کھڑے ہوجایئے۔'

'آپ کو؟' بابو جسونت سنگھ حیرت سے بھر آئے۔

'اور کسے؟'

'پھر'

پھر کیا! سزا ملی ہے تو کاٹنی تو پڑے گی ہی۔ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر کھڑے ہونا پڑتا ہے تب تک، جب تک ہماری گلی گڈو کا دل نہ پسیج اُٹھے۔

بڑی سر چڑھی ہیں۔ بابو جسونت سنگھ رِجھی آواز میں کھلکھلائے۔

کرنل سوامی نے اُن کا ساتھ دیا۔ کہتے ہوئے کہ اُس پوری فوجی زندگی میں ایسا کورٹ مارشل اُن کا کبھی نہیں ہوا۔

ہنسی تھمتے ہی کرنل سوامی نے گلی گڈو کا ایک اور دلچسپ بات سنائی۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ اُن کی منجھلی بہوا نوشری ـــــ جو گلی گڈو کی ماں بھی ہے ـــــ نے شکایت کی، لڑکیاں رات میں منجن کرکے نہیں سوتیں۔ صبح اُن کے منہ سے بدبو آتی ہے۔ کیڑے لگیں گے۔ وہ الگ۔ اُس نے دونوں کو بڑے صبر سے سمجھایا اور بہت بار سمجھایا کہ رات میں سونے سے پہلے منجن کرنا کتنا ضروری ہے۔ مگر اُنہوں نے اُس کی ایک نہ سنی۔ گلی گڈو قابو میں آسکتی ہے تو صرف اپوّ کے ذریعے۔ اُنہیں گلی گڈو کو سخت ہو دھمکانا پڑے گا۔ اگر دونوں رات میں دانت صاف کرکے نہیں سوئیں تو صبح اپوّ کی چُمّی (بوسہ) سے اُنہیں محروم ہونا پڑے گا۔

اُنہیں گلی گڈو کو دھمکانا پڑا۔ اُلٹا وہ گلے پڑ گئیں۔ ایک ہی شرط پر وہ رات منجن کرکے سوئیں گی، مگر اپوّ خود اُن کے ساتھ منجن کریں گے۔ اُنہوں نے تو اپوّ کو کبھی منجن کرتے نہیں دیکھا۔ اپوّ کے دانتوں میں کیڑے نہیں لگیں گے؟

مجبوراً اُنہیں بھی اُن کے ساتھ رات باقاعدہ برش کرنا پڑتا ہے حالانکہ کُمدنی اور کاتیاینی اُن سے پہلے سوتی ہیں اور ان کے سونے کا وقت اُن کے پینے کا وقت ہوا کرتا ہے۔ اُس وقت وہ اپنی پیاری وہسکی رایل چیلنج کے گھونٹ لے رہے ہوتے ہیں۔ اب برش کرکے پینے بیٹھتے ہیں۔

سارا گھر اُن کی پھرکی لیتا رہتا ہے۔ گلی گڈو کے سامنے اپوّ مرغ بنے

دکھائی پڑتے ہیں۔

بابو جسونت سنگھ کی جستجو پر کرنل سوامی نے اُنہیں اپنے بھرے پورے پریوار سے تعارف کرایا تھا۔ بیوی نہیں ہیں۔ اُنہیں گئے ہوئے برسوں گزر گئے۔ تین بیٹے ہیں۔ تین بہوئیں ہیں۔ بڑے بیٹے کے دو جوان بیٹے ہیں۔ شری دھرن، شری نواسن، منجھلے کی ننھی گلی گڈو ہیں۔ چھوٹے بیٹے اور چھوٹی بہو یعنی کہ شیاملی اور پربھاکرن کے کوئی بچہ نہیں ہے۔ اُنہیں جلدی بھی نہیں ہے۔ اپنا کیریر بنانے میں دونوں جٹے ہوئے ہیں۔ پورا پریوار ساتھ ہی رہتا ہے۔ اپنا اپنا فلیٹ بنا لینے کے باوجود بچے اُنہیں چھوڑا لگ نہیں رہنا چاہتے۔ اپنی اماں کے جانے کے بعد سے اُن کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ طے ہے کہ اُن کے نہ رہنے کے بعد بھی بچے ساتھ ہی مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ ساتھ رہنے میں برکت ہے۔ فلیٹ اُنھوں نے کرائے پر اٹھا رکھے ہیں۔ کرائے سے ہی اُن کا لون وصول ہو رہا ہے۔ دشوار مورچوں پر تعینات ہونے کی وجہ سے پریوار کا سکھ اپّو کو ٹکڑوں میں ہی ملا۔ بچے اُن کے اِس درد کو سمجھتے ہیں اور چاہتے کہ اپّو کو بھر پور گھر کا سکھ ملے۔

گنئوں کو جھومتا ہوا دیکھ رہے ہیں مسٹر سنگھ؟ ہوا چھیڑتی ہے تو کیسے خوشیوں سے بھر اُٹھتی ہے اب تک خاموش کھڑی فصل!'

پنٹون پل سے پلٹ کر دونوں گلیکسو کی پلیا پر آ کر الگ ہو گئے۔ سمتیں بدل گئیں۔

بابو جسونت سنگھ کے دل میں آیا تھا ـــــ کرنل سوامی سے کہہ دیں کہ وہ

دونوں صبح گلیکسو کی پلیا پر کیوں نہ ملا کریں؟

وہ تعجب سے بھر اُٹھے تھے، جب انہوں نے پایا کہ کرنل سوامی نے اُن کی بات بغیر کہے سمجھ لی تھی۔

صبح کے باوجود میورو ہار والے چوراستے پر خاصی چہل پہل رہتی ہے۔ پولیس چوکی کا خالی کھوکھا رعب بنائے رکھتا ہے۔ جگہ محفوظ ہے۔ وہیں ملنا ٹھیک ہے دوست! انتظار کے لئے گلیکسو ٹھیک نہیں۔ اپنے لئے ہمیں کوئی ڈر نہیں، خطروں سے زندگی بھر کھیلا ہے۔ کھیلنے کی عادت رہی ہے۔ آپ کو اُس کی عادت نہیں۔

'1965 کی وار بائیس دن چلی تھی۔ 1971 کی تیرہ دن۔ لیکن...... لڑائی سپاہی جنگ چھڑنے پر ہی نہیں لڑتا۔ لڑائی کی تیاری میں جو لڑائی اُسے لڑنی پڑتی ہے ــــ وہ تو مسلسل جنگ ہے!' کرنل سوامی انگریزی میں بُد بُدائے تھے۔

رام وتی سوم وتی

بابو جسونت سنگھ کو لگنے لگا ہے کہ ہوا میں یکا یک سردی بڑھ رہی ہے اور سردی ڈِھٹائی کے ساتھ ناک میں چھینک آنے کی حد تک پھرپھری کر رہی۔ چھینک آجائے تو پھرپھری کی کچپاہٹ سے نجات ملے۔ لیکن اس وقت وہ چھینکنا نہیں چاہتے۔ چھینک کا رشتہ مرحوم بیوی نے بے شگنی سے جوڑ رکھا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی دماغ میں بیکار سی باتیں اُٹھنے لگیں۔ قاتل بلیو لائین بسیں آج کل جیٹ ہوائی جہازوں سے مقابلہ کرنے پر اتارو ہیں اور سڑک پر چلنے والے فٹ پاتھی اُنہیں کیڑے مکوڑے نظر آتے ہیں۔ سڑکیں کیڑے مکوڑوں کے لئے نہیں بنی۔ سڑکوں پر اُن کا اختیار ہے۔ اُن کے اختیاری علاقے کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وہ کیسے بخش سکتی ہیں اور کیوں بخشیں؟ فٹ پاتھیوں کو سبق سکھانے کے لئے آئے دن وہ انہیں روند کر رکھ دیتی ہیں، تا کہ وہ اپنی عقل ٹھکانے رکھیں اور سڑک قبضہ کرنے کی ہمت نہ دکھائیں۔

کہیں آس پاس آج پھر اُنہوں نے اپنے خونی جبڑے تو نہیں کھول لئے؟

انہیں اپنے اوپر ملامت آئی۔ صبح سویرے وہ کوئی اچھی بات نہیں سوچ سکتے۔ برے تصورات میں سفر کرنا ضروری ہے؟ کوئی انہونی ہوتی تو نو یڈا اور ناگ ارجن اپارٹمنٹ کی طرف سے آچکے اور آرہے لوگوں کے چہروں پر اُس دردناک حادثہ کے نشان نہ درج ہوتے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دیر تک اُن کا انتظار کرنے کے بعد کرنل سوامی نے ارادہ کیا ہو کہ وہ آج اکیلے ہی پچھون پل کی طرف نکل سیر کا کوٹا پورا کر لیں۔ ان کا گھر کوئی چار قدم پر تو ہے نہیں۔ ان کا انداز جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ دوری چار پانچ کلومیٹر سے کم کیا ہی ہوگی۔ انہیں یاد ہے کہ ان کے اس طرف سیر پر آنے سے انہیں کئی کلومیٹر فی دن چلنا پڑتا ہے۔ تھکان نہیں ہوتی؟ کرنل سوامی نے فلک شگاف قہقہہ بھرا تھا جیسے انہوں نے ان سے کوئی بچوں سا آسان سوال کر دیا ہو کہ وہ بھول رہے ہیں کہ وہ ملٹری میں نوکری کر چکے ہیں، جہاں ہر ایک سپاہی کو، چاہے وہ کسی بھی عہدہ پر ہے، خود کو چست درست رکھنے کے لیے علی الصبح اٹھ کر میلوں دوڑنا پڑتا ہے۔

پچھون پل کی طرف نکل کر گئے ہوتے کرنل سوامی تو یقیناً ہی اب تک پلٹ کر اس پلیا پر آ چکے ہوتے۔ آدھا گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگتا وہاں کی سیر کے لئے۔

اتنا وقت بھی اس لئے کہ وہ سڑک کے دونوں طرف بچھی فصلوں کی لہلہاہٹ کا آب نوشی کرتے ہوئے چلتے ہیں۔

○○

'ایک کام کریئے......' ملاقات کی چوتھی صبح کرنل سوامی چلتے چلتے ٹھٹھک کر بابو جسونت سنگھ کی طرف مڑے تھے۔ سیر کے لئے کرتا پائجامہ مناسب پوشاک نہیں۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑے چال سست کر دیتے ہیں۔ دو جوڑی ''ڈلکس کاٹس اُول'' خرید لیجیے۔ آگے جاڑا بھی بڑھے گا۔'

'سردی زیادہ لگے تو اوپر سے جیکیٹ یا کوٹ ڈالا جا سکتا ہے۔'

'آپ نا خرید پائیں تو بتایئے ـــــ اٹا مارکیٹ سے ہم خرید لائیں گے۔'

شرم سے دوہرے ہوتے بابو جسونت سنگھ نے انہیں فوراً منع کیا۔ جوتے کی قیمت انہوں نے لی نہیں، اوپر سے سر پر ایک اور قرض۔ اس دن چوٹ سے ڈرے ہوئے تھے۔ نزدیک کے آچاریہ نکیتن کے مارکیٹ کے بارے میں انہیں کوئی خاص جانکاری بھی نہیں تھی۔ اس بار لاپرواہی نہیں ہوگی۔ خود بازار جاکر من پسند خرید لائیں گے۔ بلکہ کل کرنل سوامی کو 'لکس کاٹس اُول'' میں ہی دکھائی پڑیں گے۔

حالانکہ دل کو اچھا لگا۔ کوئی تو ہے جو انہیں سردی سے ہی نہیں بچانا چاہ رہا، انہیں چست و درست بھی دیکھنا چاہ رہا ہے۔ جس روپ میں وہ ہمیشہ خود کو دیکھنے کے خواہشمند رہے ہیں۔ آگ پر پانی کب پڑ گیا، انہیں نہیں پتا۔ پانی پڑا بھی یا نہیں یا انہوں نے خود عمر کے تیوروں سے بھڑنے کی بجائے جینے کے جوش وخروش کو اپنے اندر ہی 'دفن' دیا...... جی لئے۔

یکایک اپنے شہر کان پور کی خواہش ہو آئی تھی۔ کہیں اگر بتی سلگ اٹھی۔

لوگوں کو کان پور چاہے جتنا گندا، بے ترتیب، پچھڑا، دنگے فسادوں والا شہر لگے۔ ان کے لئے تو اندرونی آرام و آسائش کا مترادف ہی رہا ہے۔ دلیش کا مانچسٹر یونہی نہیں کہا جاتا رہا اُسے۔

آتے جاتے کسی سے کہلوا دو کی فلاں چیز کی ضرورت ہے اُنہیں ـــــ گھنٹے بھر کے اندر دروازے پر حاضر۔ ایک سے ایک عمدہ آئٹموں کے ساتھ۔ جو چاہو سو پسند کرلو۔ قیمت دینے ہیں تو اسی وقت دے دو۔ انٹی خالی ہو تو جب ڈول بیٹھ جائے تب پکڑا دو۔ مجال جو دکاندار وصولی کے لئے

دروازہ پر دستک دے۔ اب تو سبھی دکانوں پر ٹیلیفون لگ گئے ہیں۔ گھنٹے بھر کا کام چٹکیوں میں۔

تبادلے پر خوب بڑے شہروں میں رہے۔ مگر جوڑ جُگاڑ بھڑا کر واپس کان پور پہنچ گئے۔ جواہر نگر میں بہت پہلے پانچ سو گز کا پلاٹ خرید لیا۔ اسی پر منصوبے کے مطابق گھر بنواتے رہے۔ اتفاق سے گھر کے سامنے نگر پالیکا نے شاندار باغیچہ بنوادیا۔ سونے پر سہاگا ہوگیا۔ باغیچے کے درمیان میں ایک پرانا برگد کا پیڑ ہے۔ جسے نگر پالیکا نے ویسے ہی چھوڑ رکھا ہے۔ سینکڑوں پرندوں کے رہنے کی جگہ ہے برگد! صبح و شام چاروں طرف اُن کی کوک بلند اور باریک آواز اندر ایسی راحت کا سامان کر جاتی ہے کہ من کی ساری دھند چھٹ جاتی ہے۔

گھر کے پچھواڑے گیریج میں رام آسرے پاسی کو بسا رکھا تھا۔ اس کی عورت سنگنیاں گھر کا کام کر جاتی تھی۔ دروازے جھاڑو، بہارو، تپتی گرمیوں میں پانی کا چھڑکاؤ ــــــ سارا کچھ اس کے ذمے تھا۔

نریندر کی اماں کو بس اس کے ''ننگ پھُنگڑ'' بچے نہ جھیلے جاتے۔

بابو جسونت سنگھ بہلاتے۔ پچھواڑے جو کرتے ہیں، وہ کرنے دو۔ اپنی غرض دیکھو۔ بچے رات بھر میاتے رہتے ہیں۔ جاگتے رہتے ہیں۔ ورنہ دیوار پھاند سیندھ لگانے والوں کی کمی ٹھہری!

بڑے وقت کی مار! رام آسرے پاسی نریندر کی اماں کے جانے سے پہلے ہی چل بسا۔ اپنے گاؤں گیا تھا بڑے بھائی کے بلاوے پر۔ پندرہ دن بعد خبر آئی۔ برہن گاؤں میں زہریلی شراب کے پاؤ چ پی کر جن اکیس لوگوں

کی موت ہو گئی ـــــ رام آسرے ان میں سے ایک تھا۔

یقین نہیں آیا۔ رام آسرے کو جو کبھی نشے میں نہیں دیکھا۔ سنگھنیا نے قبول کیا۔ چھٹھے چھما سے چڑھا کے آتا تھا تو خاموش کٹھری پر بندھی گٹھری سا لڑھک لیتا تھا! اُسی وجہ سے مرا۔

روتی، کلپتی، قسمت کو کوستی سنگھنیاں کو تینوں بچوں سمیت جیٹھ آ کر گاؤں لے گئے۔ اس کا رونا کلپنا دل دہلانے والا رہا۔

نریندر کی اماں کی جان کا جنجال کٹا۔ سنگھنیاں کے اوپر ٹوٹے دکھ کے پہاڑ سے دُکھی ہونے کے باوجود۔ ٹہل کے لئے اس نے فوراً رام رتی بارن کو لگا لیا۔

اُس کی چھوٹی گرہستی کو بوروں میں بھروا کر گیرج دھلوا پوچھوا، گنگا جل چھڑک پاک کر کرلیا۔

بیس دن بھی نہ گزرے ہوں گے کہ ایک دوپہر گیٹ کھٹکا۔

بدحال سنگھنیاں میل سے نہائے بچوں کے ساتھ گیٹ کے باہر کھڑی دکھائی دی۔

نریندر کی اماں کو دیکھتے ہی دہاڑیں مارتے ان کے قدموں میں گر گئی۔ ماں کی دیکھا دیکھی معصوم بچے بھی سبکنے لگے۔

نریندر کی ُبما کا ُبنی رہنے والی اماں سنگھنیاں کے زار و قطار آنسوؤں سے موم سی پگھل گئیں۔ پوچھا، آئی کیسے ہے؟ کیوں آئی ہے؟ برتن اور دوسرے سامان لے جانے کے ارادے سے آئی ہو تو خود دوڑ لگانے کی بجائے کسی سگے رشتہ دار کو بھیج دیا ہوتا؟ رہنے کی منشا سے آئی ہو مہریوں کی گھیرا گھیری میں

بدنام اس شہر میں اکیلی رہ کر کرے گی کیا؟ ایک بے سہارا عورت بغیر کسی سہارے کے جی سکتی ہے؟

سنگنیاں کی ہچکیاں ٹھنکیں۔

آنچل سے آنسو پوچھ پختہ آواز میں جواب دیا اُس نے ـــــ ہم کو تو ہماری دیوی میاسی مالکن کا بھروسا ٹھہرا۔ انہیں کی آڑ چھاؤں سے ہمت باندھ لیں گے۔'

گزر بسر کے سوال پر اس نے اپنا جی کھولا۔ مالکن کا کام وہ پہلے جیسا ہی کرتی رہے گی۔ مجال کی کوئی اس کے کام کو ہاتھ لگا لے! جتنے دن لگالیا، لگالیا۔ اب نہ وہ گیٹ میں گھسنے کی۔ اس دہلیز سے جو وقت بچے گا ـــــ اغل بغل کے گھر پکڑ لے گی۔ بچے پالنے ہیں بس اُسے۔ لڑکا دس بارہ کا ہولے گا تو کسی ڈھابے، ہوٹل میں مزدور ہولے گا۔ کٹ جائے گی!

گاؤں وہ کسی حال میں نہیں لوٹنے کی۔ مالکن زور نہ دیں۔ گاؤں میں جیٹھ جوروظلم پر آمادہ تھا۔ حصہ بانٹ ہڑپنے کی فراق میں اسے جبرن بوڑھے دوہاجو کے پلّے باندھنے کی سانٹھ گانٹھ بنا چکا تھا۔ سنگنیا نے منظور نہ کیا۔ کل دوپہر اس بوڑھے کے ساتھ اُس کی شادی تھی۔ اس لئے علی الصباح بیت الخلاء کے بہانے بچوں کو لے پیدل بس اڈے نکل دی اور کان پور کی بس پکڑ کر مالکن کے یہاں پہنچ لی۔ اب وہ محفوظ ہے۔ جیٹھ نے آکر اسے لے جانے کی زبردستی کی تو وہ سوچے بیٹھی ہے کہ مالکن کے ساتھ پولیس، کچہری میں جا کر رپورٹ لکھوا دے گی کہ اسے نہیں جانا بھیڑیوں کے ساتھ۔

پسیجنے کے باوجود نریندر کی اماں کی اخلاقیات سر اٹھائے ہوئی تھی۔ معمولی سی عورت کی اتنی مجال؟ سگے رشتہ داروں کو لات مار ان کی دہلیز آ گری۔ ان کی ذات برادری میں کون اگنی پریکشا ہوتی ہے کہ اس کے، اس کے نہیں بیٹھتے؟ ضرور ان کے ساتھ اس کا کوئی چکر وکر ہے۔

نریندر کی اماں کو جو بابو جسونت سنگھ نے جم کر گھُوک لگائی کہ رات بھر گنگا جمنا میں اتراتی رہیں۔ مانا کہ کسی معاملے میں بہت کمزور رہے ہیں وہ، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جب چاہے جس کے ساتھ چاہے ان پر الزام لگا دیں؟ جب جہاں جس کے ساتھ رہا بھی اس کی تو بوڑھم کو ہوا تک نہیں لگی۔ نہ آگے لگ پانے کے امکان ہی ہیں۔ تب غصہ کرنے اور بداخلاق ہونے سے مطلب۔

بابو جسونت سنگھ کو اضطراب اسی بات کا رہا کہ نریندر کی اماں نے کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا کہ سوائے گھر گرہستی کی ماہر منتظمہ ہونے کی ان میں کون سی ایسی خوبیاں ہیں جو انہیں ان سے باندھے رہتے؟ خوش طرازیت کا لوہا مانتے ہیں اور مانتے رہیں گے۔ علاء الدین کا چراغ گھی چستی پھرتی میں۔ فرمائش ہوئی نہیں ہوئی کہ پلک جھپکتے چیز حاضر۔ ویسی حاضر جوابی جسم میں کوندتی نریندر کی اماں کے تو وہ ادھر اُدھر منہ مارتے؟ کہنے والی بات نہیں ہے، عورتوں میں عورتیں دیکھی ہیں انہوں نے جو کوری سلیٹ سی ساکھ ایسی کامل ہو اُٹھی تھیں کہ آدمی گھر میں ویسی مہارت کے لئے للکتا ہی رہ جائے۔

نریندر کی اماں کی طرح نریندر نے بھی سپاٹ الفاظ میں سگنیاں کی حاضری پر سوالیہ نشان لگایا تھا۔ یعنی ناک گھما کر انہیں کنگھرے میں لینے کی

کوشش اس نے بھی کی کہ سنگنیاں سے گیراج خالی کرا لینا نہایت ضروری ہے۔ آگے چل کر کوئی تماشا نہ کھڑا ہو جائے۔ سنا ہے کہ پچھلی گلی کے بی ایس پی نیتا رام کھلاون یادو کے گھر سنگنیاں نے پورے وقت کی ٹہل پکڑ لی ہے۔ رام کھلاون یادو کی کوٹھی چھوٹی نہیں کہ سنگنیاں کو وہاں رہنے کی جگہ کی کمی ہے۔ وہیں جا کر رہے اور کیوں نہ رہے؟

بابو جسونت نے نریندر کے منطقوں کو خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔ ایسا وہ ان کی غیر موجودگی میں ہی تو کر رہی ہے۔ کام تو اس نے نریندر کی اماں کے رہتے ہی وہاں پکڑ لیا تھا۔ اب ان کے بند گھر کی ٹہل رہی نہیں۔ کہیں بھی کرے، انہیں کیا مطلب؟ پھر ان کے گھر کی باہری دیکھ بھال اب بھی اسی کے ذمے ہے اور جسے وہ اپنے رہنے کی عوض میں پوری ذمہ داری سے نبھا رہی ہے۔

نہیں بھول پاتے بابو جسونت سنگھ کہ نریندر کی اوٹ ہوتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر کر سنگنیاں نے انہیں گھیرا تھا۔ جانے کو مالک دہلی جا رہے ہیں بیٹے بہو کے یہاں۔ راضی خوشی رہیں۔ مگر مالک اپنے گھر کا بھی خیال رکھیں۔ گو وہ موت اٹھانے کا موقع غریب سنگنیاں کو بھی دیں۔

سنگنیاں کو بابو جسونت سنگھ نریندر کے گھر کا ٹیلیفون نمبر اور پتا چٹ پر لکھ کر دے آئے تھے۔

نیتا جی رام کھلاون یادو کے گھر سے اس نے ان کی بڑی بٹیا سے دہلی کا نمبر لگوایا تھا۔ سنگنیاں کا فون سنتے ہی بہو سنینا کی بلاہٹ میں پھانس دھنس آئی تھی۔

سنگنیاں نے انہیں مطمئن کیا تھا۔ گھر پر سبھی خیریت ہے۔ اندر کا حال تو وہ نہیں بتا پائیگی۔ چابھی سونپ گئے ہوتے تو بات جدا تھی۔ ان کی طبیعت پانی کیسی چل رہی ہے۔ رام وتی سوم وتی کو نیتا جی کی مدد سے سرکاری اسکول میں داخلہ کرانے کی سوچ رہی۔ مالک کی کیا رائے ہے......

انہیں یاد ہے۔ انہوں نے سنگنیاں سے کہا تھا کہ نیتا جی رام کھلاون یادو جو کر سکتے ہیں ـــــــ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ان کا علاقہ میں خاصہ دبدبا ہے۔ کسی الجھن میں نہ پڑ کر رام وتی اور سوم وتی کو فوراً اسکول میں داخل کروا دیں۔ پڑھائی بہت ضروری ہے۔ ان کی ایک خواہش ہے۔ سنگنیاں کو مناسب لگے تو مان لے۔ ابھی اسکول میں داخلہ نہیں ہوا ہے۔ نام بدلا جا سکتا ہے۔ ان کا نام کمدنی اور کاتیائنی رکھ دے۔ سنگنیاں کو نام ٹھیک سے سمجھ نہیں آئے تھے۔ فون اس نے نیتا جی کی بڑی بٹیا کو پکڑا دیا تھا، یہ کہہ کر کہ مالک اسے بتا دیں۔ اسکول میں نام لکھانے کے وقت وہی اس کے شامل جائے گی۔ نام سن کر نیتا جی کی بٹیا خوش ہو گئی تھی۔ ایک سجھاؤ انہوں نے اور دیا تھا۔ نام کے آگے ذات پاسی نہ لکھوایا جائے۔ باپ کے نام کا آخری لفظ آسرے لگا دیا جائے۔ کاتیائنی آسرے، کمدنی آسرے۔

سنگنیاں نے کہا تھا ـــــــ 'مالک چھوٹکو کا نام؟'

اس کا نام بابو جسونت سنگھ نہیں تلاش کر پائے تھے۔

جانتے ہیں مسٹر سنگھ آپ کے جوتوں کا ڈبہ ہمیں کہاں چھپا کر رکھنا پڑا تھا۔ اپنے کمرے کے گودریج کی الماری کے اوپر۔ دوبارہ گلی گڈو کے ہاتھ چڑھ گئے ہوتے تو آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ان کی شکلیں بدل گئی ہوتیں۔

'اور جو آپ کے جوتوں کی عوض میں ہم سے انہوں نے لمبی چوڑی گھوس وصولی بابا رےSS؟'

ہوا یوں کہ شام کو جیسے ہی کرنل سوامی جوتوں کا ڈبہ لٹکائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے، نیچے کھیلنے جانے کے لئے بجی دھجی کھڑی گلی گڈو کی نظر ان پر پڑ گئی۔ انہیں لگا کہ ان کے اپوّ ہمیشہ کی طرح ان کے لئے کچھ لے کر آئے ہیں۔ جھپٹ کر دونوں نے منع کرتے نہ کرتے جوتوں کا ڈبہ کھول ڈالا اور پہنے ہوئے جوتے سمیت ایک نے ایک جوتے میں پاؤں ڈال لیا، دوسری نے دوسرے جوتے کے اندر۔ اوپر سے خراب لگیں گھر کے اندر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں پھد پھد بھاگنے۔ کرنل سوامی پچکارتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑے۔ خوفزدہ جیسے، کہ کہیں دونوں لٹ پٹا کر گر نہ جائیں اور ناک و پیشانی پھوڑ بیٹھیں۔

وہ تو چھوٹی بہو شیاملی نے انہیں بچایا۔

گلی گڈو کو باقاعدہ دھمکایا۔ فوراً جوتے سے پاؤں باہر نکالیں، ورنہ وہ انہیں چھپکلی والے باتھ روم میں لے جا کر بند کر دے گی جہاں چھپکلیاں انہیں کٹّی کر سکتی ہیں۔

شیاملی کی دھمکی کام کر گئی۔ جوتے گلی گڈو نے پاؤں سے اتارے ہی نہیں ـــــ ڈبے میں بھی شیاملی کے بتانے کے مطابق پیک کیے۔

لیکن اپنے اپوّ کو دونوں بلیک میل کرنے سے نہیں چکیں۔ اعلان کر دیا۔ انہیں بھی ایسے ہی جوتے چاہئے اور کل ہی چاہئے۔ جوتے پسند کرنے دونوں اپوّ کے ساتھ مارکیٹ چلیں گی۔ خریداری کے بعد اپوّ انہیں

میکڈونالڈس میں کھلائیں گے بھی۔ چکن برگر، فرینچ فرائی کے ساتھ۔ برگر کے ساتھ کوئی تحفہ بھی مفت ملے گا۔ انہیں ٹی وی پر بتایا گیا ہے۔ وہاں سے وہ آئس کریم کھانے 'نیرولاج' بھی جائیں گی۔

کرنل سوامی نے شکر ادا کیا۔ اتنے سے چھٹکارا مل گیا____ غنیمت ٹھہری۔

'ویسے گلہریوں کے ساتھ بڑا مزا آیا۔ آپ کبھی اپنے پوتوں کے ساتھ 'میکڈونالڈس' گئے ہیں مسٹر سنگھ!

'نہیں گئے؟ تو کسی روز انہیں لے کر جائیں۔ بڑا مزا آئے گا۔ لگے گا جیسے ہم ان کے ہمجولی بن گئے ہیں۔ آج کل تو رواج چل پڑا ہے بچوں کا جنم دن وہیں منانے کا۔' کرنل سوامی نے چہکتی آواز میں بابو جسونت سنگھ سے التجا کی۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اپنے گھر میں یہ چھوٹ دینی چاہی۔ مگر بہوئیں ہیں ایک دم لکیر کی فقیر۔ جھنجھنانے لگیں کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ بچوں کے گھر میں جنم دن ویسے ہی منیں گے جیسے منتے چلے آئے ہیں۔ اماں کی روایت کے مطابق۔ تیج تہواروں والے دھوم دھڑاکے کے ساتھ۔ بچے لاکھ ضد کریں تب بھی نہیں۔ کیسے جانیں گے کہ ان کی دادی ان کا جنم دن کس طرح منایا کرتی تھیں؟

بابو جسونت سنگھ کو اُسی لمحہ یاد آیا کہ ان کے ملیئے کا جنم دن اگلے ہفتے اٹھارہ نومبر کو ہے۔ ملیئے سے بات کریں گے، کیوں نہ اس کا جنم دن گھر کے سبھی ممبر کے ساتھ 'میکڈونالڈس' میں منایا جائے؟ پارٹی کے خرچ کا ذمہ ان کا۔

جتنا بھی آئے۔ ان کی تجویز سنتے ہی ملئے بے حد خوش ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے تو اپنا جنم دن 'میکڈ ونالڈس' میں منانے کا پروگرام پہلے ہی بنا رکھا ہے۔ ممی پاپا سے اس بابت بات بھی ہو گئی ہے۔ وہ بھی راضی ہیں۔ لیکن اس کا یہ پروگرام اس کے دوستوں کے ساتھ ہے۔ گھر والے اس میں شامل نہیں ہوں گے۔ ممی کو ویسے بھی جنم دن گھر میں منانے میں جھنجھٹ لگتا ہے۔ پچھلی دفعہ دوستوں کی اودھم سے وہ پریشان ہو گئی تھیں۔ انہوں نے تبھی اس سے کہہ دیا تھا۔ آئندہ تم لوگ اپنا جنم دن اپنے دوستوں کے ساتھ منالیا کرو۔ اب بڑے ہو گئے ہو۔

ملئے نے جوش سے پورے پروگرام کی تفصیل دی۔

'گلیکسو'، 'کیرتی' اور 'زمان' کے دوستوں کو ملا کر کل چودہ لوگ ہوں گے۔ چودہ لوگوں کے لئے پاپا نے 'میکڈ ونالڈس' میں میز بک کرادی ہے۔ سوسائٹی سے تین گاڑیاں جائیں گی ایک گاڑی سگنا کی ہو گی، دوسری وویک کی، تیسری اپنی، اپنی گاڑی کے لئے، پاپا اس روز دفتر سے ڈرائیور بلوا لیں گے۔

'نہ، نہ دادو! اپنے ساتھ ہم کسی بھی بڑے کو نہیں لے جائیں گے ــــــ پارٹی بورنگ ہو جائے گی۔ پھر سب کے ڈرائیور تو ہوں گے ساتھ میں۔ ڈرنے جیسا کچھ نہیں ہے۔'

بجھے من سے بابو جسونت سنگھ نے پوچھا 'چلو، نہ لے چلو میکڈ ونالڈس' اپنے جنم دن پر۔ مگر تحفہ کیا لوگے تم اپنے دادو سے؟

'اوں SSSS عدنان سامی کی سی ڈی دلوا دیجئے۔'

‘وہ کہاں ملے گا؟’

‘کسی بھی سی ڈی کی دکان پر!’

‘آس پاس کوئی ہے؟’

‘اوں ہو!’

‘تب؟’

‘پالیکا بازار جانا ہوگا آپ کو۔’

‘تم دونوں چلو گے؟’

‘نہیں!’

‘کیوں؟’

‘پڑھنا ہوتا ہے نہ......’

بابو جسونت سنگھ اداس ہو آئے۔ بچوں کی غلطی نہیں۔ انہیں اپنے تک محدود رہنا سکھایا جا رہا ہے کہ انہیں کسی کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے اسی کے چلتے مِلئے، نِلئے کو کبھی کوئی کھیل ـــــ ‘بلاکس’، ‘میکنس’، ‘پزلس’، نہیں بھینٹ کیے۔ نریندر اور بہو انوکھے تب بھی لگے تھے جب بچوں کے بغیر مانگے ہی وہ انہیں انوکھا انوکھا کھیل کھلونے لا کر دیا کرتے تھے، وہ کھیل کھلونے ننھے مِلئے نِلئے کو اپنے میں الجھائے اور رجھائے رہے۔ انہیں کسی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کان پور آتے تو انہیں کھیلوں کے ساتھ آئے۔ گلی کے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں ان کی کوئی دلچسپی نہ ہوئی۔ نہ اپنے کھیلوں میں ان بیتاب بچوں کو ساجھی دار بناتے۔ نہ ہاتھ لگانے دیتے۔ انہیں کھیل کھلونے میں بھی سازش کی بو آتی۔ بڑھتی عقل کی آڑ میں بڑی خوبصورتی سے بچوں کا

احساس ختم کیا جا رہا ـــــ اتنا کہ بچے کبھی فیملی میں نہ لوٹ سکیں نہ کبھی اپنی کوئی فیملی گڑھ سکیں۔

گھڑی میں لاگا چور

نشتر سی لگاتار اترتی اداسی سے لمحہ بھر کو بکھر کر بابو جسونت سنگھ نے آسمان میں اٹھتی سورج کی سنہری بالیدگی کو یکا یک مٹ میلی چادر کی اوٹ میں چھپتے دیکھا۔

ٹانگوں میں چیونٹیاں کہاں سے چڑھ آئیں؟ پلیا پر بیٹھی بیٹھی اوب گئی ہیں شاید......!

اسکول بسوں کی آمد ورفت شروع ہو چکی ہے۔ یعنی انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ کرنل سوامی کا انتظار وقت کو نہیں، انہیں ہے اور اس لئے وہ اب تک پلیا پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مگر اس موٹے سوال سے کیسے بچا جا سکتا ہے کہ پلیا پر وہ کب تک منتظر رہیں گے؟ رکشے والوں نے بس پکڑنے والی سواریوں کو کالونی کے اندر والے پاکٹوں سے لا کر بس اسٹینڈوں پر چھوڑنا شروع کر دیا ہے اور نوئیڈا سے آنے والی سواریوں کے انتظار میں پلیا کے کنارے کھڑے ہونا بھی۔

اگلے پاؤں پر، آنکھیں بند کئے چہرے ٹکائے ٹامی ان کو نظر انداز کر کے بہانے کرتا ہوا دکھ رہا ہے۔

'ٹامی چلیں؟' آواز میں اچانک 'بھرّاہٹ' گھل آئی بابو جسونت سنگھ کے۔

ٹامی نے اعتراض جاری رکھتے ہوئے نہ آنکھیں کھولیں نہ دُم میں حرکت پیدا کی۔ انہوں نے ڈھیلی پڑی زنجیر کو اپنی طرف کھینچا تب بھی نہیں۔

اچانک کہیں جانا پڑ گیا ہوگا کرنل سوامی کو۔

بھری پوری فیملی میں کم لوگ ہوں گے۔ رشتہ داری کی ہونی انہونی گھر کا بزرگ نہیں نبھائے گا تو کون نبھائے گا؟ کان پور تھے تو انہیں بھی یہی کرنا پڑتا تھا۔ نریندر نہ کبھی کسی کی شادی بیاہ میں گیا نہ منڈن چھیدن نہ چوتھا تیرہویں میں۔

کان پور پھر کھینچ لے گیا۔

دہلی بابو جسونت سنگھ نے نہ کبھی آنا چاہا نہ آنے کے بعد کوئی دن گزرا کہ وہ دکھی ہو کر دہلی سے نہ اکتائے ہوئے ہوں۔

پہلے جب بھی آئے مہمانوں سے آئے اور دو تین روز کی مہمانی کر، نریندر کی اماں کو چھوڑ کان پور لوٹ گئے۔

جب تک نریندر کی اماں کو بیٹے بہو، پوتوں کے ساتھ رہنا ہوتا_____ رہتیں۔ پھر ان کے ہی اشارے پر ایک روز نریندر کا فون پہنچتا۔ اماں کو ان کی فکر ستا رہی ہے۔ پچھلی بار ان سے فون پر ہوئی بات چیت سے اماں کو محسوس ہوا کہ ان کا جان لیوا نزلہ اُکھڑا ہوا ہے۔ تیز تیز بول رہے تھے۔ بلڈ پریشر بھی بڑھا ہوا ہوگا۔ کم لاپرواہ نہیں ہیں دوا دارو کے معاملے میں۔ نریندر انہیں شتابدی میں بیٹھا دے۔ رام آسرے انہیں آ کر اتار لے جائے گا۔

آنے کے بعد مہینوں تک لگاتار پہلے پائیدان پر اپنی کامیابی میں آگے رہے۔ منہ چڑھے کسی فلمی گیت کی طرح، بیٹے بہو اور پوتوں کے قابل تعریف گانے کا ریکارڈ بغیر فرمائش کے بجتا رہا۔ بلہاری جاؤں کے انداز

میں۔

جاڑے کے لئے وہ سونٹھ، میوے ڈلے گوند کے لڈو پیپا بھر بنا کے رکھ آئی ہے۔ پیپا بھر بنا کے جو یہاں سے ڈھوکر لے گئی تھیں اور جسے باندھتے سنگنیا کی سانولی ہتھیلیوں پر پھپھولے پڑ آئے تھے ــــ ہفتے بھر میں ختم ہو گئے۔ نریندر کی دوبارہ فرمائش ہوئی۔ نریندر صبح ناشتے میں گلاس بھر دودھ کے ساتھ صرف ان کے ہاتھ کا بنا لڈو کھا کر جاتا ہے۔ مَلئے نلئے خود تو شوق سے کھاتے ہی ہیں ــــ سوسائٹی کے اپنے دوستوں کو بھی بُلا بُلا کر کھلاتے ہیں۔ وہ تو بہو سنینا کی نظر پڑ گئی اُن پر اس لئے اُس نے جم کر ڈانٹ پلائی۔ لڈو باندھتے اماں کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور تم لوگ بے شرمی سے 'سدابرت' کھول کر بیٹھے ہوئے ہو۔؟

یوپی والے 'کچیا' سے دہی بڑے ان کے ہاتھ سے نریندر نے کئی دفعہ بنوا کر کھائے۔ بلکہ دفتر والوں کی بقایا پارٹی بھی انہیں کے زور پر کر ڈالی۔ 'رجاسے' کھا کر نریندر کے صاحب کی بیوی تو چلنے سے پہلے ان کے پاس کاپی پنسل لے کر بیٹھ گئی کہ اماں جی انہیں ''رجاسے'' بنانے کی ترکیب لکھوا دیں۔

گلیکسو کی پلپا کاؤ بڑ کھابڑ اُتراؤ اُترتے ہوئے بابو جسونت سنگھ کی سردی سے سوکھے یا کرنل سوامی کی غیر حاضری سے خشک ہو آئے ہونٹ خود پر طنز سے ترچھے ہوئے کہ بابو جسونت سنگھ! تم نے اگر نریندر کی اماں کی طرح پکوان بنانے میں مہارت حاصل کر لی ہوتی تو یقیناً ہی بہو سنینا کے لئے تمہاری کوئی افادیت ہوتی۔ بوڑھا ٹھیلوا اُس کے کس کام کا جو کھانے اور

گندگی پھیلانے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتا۔

'اِڈلی پسند ہے آپ کو مسٹر سنگھ؟'

کرنل سوامی نے پوچھا تھا بابو جسونت سنگھ سے۔

ان کے کبھی کبھی کے جواب پر انہوں نے بڑے شوق سے بتایا کہ ان کی بڑی بہو مادھوی اتنی ملائم اڈلی بناتی ہیں کہ منہ میں دیتے ہی گھل جائے۔ مادھوی کو پتہ ہے کہ کرنل سوامی کے اوپری جبڑے کی تین دانتیں (داڑھیں) کمزور ہو چکی ہیں اور نچلے جبڑے کی دو۔ سخت چیز ان سے چبائی نہیں جاتی۔ کھانے کی خواہش ہوتے ہوئے بھی کئی من پسند پکوان انہیں چھوڑنے پڑتے ہیں۔ مادھوی نے جیسے بیڑا اٹھالیا ہے کہ وہ جو بھی پکوان بنائے گی، ان کے دانتوں کا خیال کر محنت اور ہشیاری سے بنائے گی تا کہ وہ اس کا بھرپور ذائقہ لے سکیں۔ رات کھانے میں وہ اڈلی، سانبھر اور ناریل کی چٹنی بنانے والی ہیں۔ اڈلی تو کہیں بھی کھائی جاسکتی ہے، مگر مادھوی کے ماہر ہاتھوں سے بنی ذائقہ دار ملائم اڈلی اپنے آپ میں ایک تجربہ ہے۔

صبح سیر کے لئے نکلنے سے پہلے وہ بابو جسونت سنگھ کے لئے مادھوی سے تازی اڈلی بنوا کر لائیں گے۔ کیلے کے پتوں میں مادھوی اڈلیوں کو اس طرح سے پیک کرے گی کہ ان کے ناشتے کے وقت تک گرم بنی رہیں گی۔ چٹنی بابو جسونت سنگھ تیکھی کھاتے ہیں یا پھیکی؟ پوچھنے کے ساتھ ہی کرنل سوامی کو اچانک یاد ہو آیا کہ بواسیر کی تکلیف کے چلتے تیکھا اُن کے لئے منع ہے۔ چٹنی وہ پھیکی ہی بنا کر لائیں گے۔

'دہلی گھوما؟'

'اب تک نہیں گھوما؟'

'کوئی آنا کانی نہیں کرے گی۔'

میری نظر سے میرے ساتھ دہلی کی سیر کر کے دیکھیے مسٹر سنگھ! منہ سے بے ساختہ نہ نکل پڑے کہ ہائے دہلی! ہم تم سے اب تک دور کیوں رہے—— تو کہیے گا!

وہ سہانے موسم کا ایک سہانا سا دن تھا۔ پانچ سو روپے، آٹھ گھنٹے، اسی کلو میٹر کے حساب والی ڈی ایل وائی ٹیکس کرائے پر لے کر کرنل سوامی بابو جسونت سنگھ کو دلّی کے تاریخی مقام دکھانے نکلے تھے اور اس وقت دونوں قطب مینار کے نزدیک کھنڈروں میں بیٹھے ہوئے کرنل سوامی کے ذریعہ تھرمس میں گھر سے بنوا کر لائے لذیذ 'رسم' کے گھونٹ بھر رہے تھے۔

بابو جسونت سنگھ نے بہت دنوں بعد اتنی لذیذ رسم پیا تھا۔ بیٹی شالنی ترونڈرم سے جب بھی مائیکے کان پور آتی وہ اس سے رسم بنا کر پلانے کی ضد ضرور کرتے۔

بابو جسونت سنگھ نے کرنل سوامی سے رسم کی تعریف کی تو انہوں نے حوصلہ افزا ہو کر ان سے اڈلی کی پسندگی کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔

اپنی پسند کے بارے میں بتاتے ہوئے بابو جسونت سنگھ تقریباً جذباتی ہو آئے تھے۔ دراصل دہلی آکر وہ بھول ہی گئے کے کھانے میں ان کی پسند کی کوئی اہمیت باقی ہے۔ اکثر انہیں وہ کھانا پڑتا ہے یا کھلایا جاتا ہے جو ان کے ڈھیلے اور کھوکھلے ہو آئے دانتوں اور بگڑے ہاضمے کو منظور نہیں ہوتا۔ پسند کی بات درکنار بھی کر دیں تو تکلیف دہ بات ہے ان کے ناشتے پانی کا کوئی

وقت مقرر نہ ہونا۔

صبح کی سیر سے لوٹنے کے بعد نیمبو والی چائے اور ناشتے کے بلاوے کی راہ دیکھتے ہوئے 'ہندستان ٹائمس' کے صفحات پلٹتے رہتے ہیں اور اُدھر سے پہنچتے رہتے ہیں، بہوسنینا کے تسلّی بھرے جملے، کہ بچے اسکول کے لئے نکل رہے ہیں اور ان کے نکلتے ہی وہ بابو جی کا دلیا چڑھا دے گی۔ گھر کا دروازہ بند ہونے کی دھمک 'اُنہیں آگاہ کر دیتی کہ بچے اسکول کے لئے روانہ ہو گئے اور اُن کے ناشتے پانی کا نمبر لگنے والا ہے۔

کچھ ہی منٹوں کے بعد بغیر نیمبو کی کتّھی چائے کا گلاس رکھتے ہوئے انہیں بتایا جاتا ہے کہ چائے آج انہیں بغیر نیمبو کی پینی پڑے گی۔ دراصل بہوسنینا اس دھوکے میں رہی کہ نیمبو فریز میں رکھے ہوئے ہیں۔ ڈھونڈنے پر پتہ لگا کہ نیمبو فریز سے ندارد ہیں۔ ایک رات میں انہوں نے (نریندر) نے سلاد میں نچوڑ دیا۔ دوسرا شہد کے ساتھ گنگنے پانی میں خود پی گئے۔

چائے کے کچھ ہی منٹوں بعد بالکنی یعنی کہ ان کے کمرے میں جھانک کر پوچھا جاتا ـــــ دلیے کا ڈبہ خالی پڑا ہوا ہے۔ شام سے پہلے نہیں آ سکتا۔ ناشتے میں کیا بابو جی 'چیلا' کھانا پسند کریں گے؟ انہیں یاد آجاتا ہے۔ پرسوں بہوسنینا کی چچیری بہن کُسم پریتم پورا سے مع شوہر، بچے کے تشریف لائی تھی۔ ان کے لئے پکوڑے خاص طور سے بنے تھے۔ پسی دال بچی ہوئی فریز میں رکھے ہوں گے۔ بہوسنینا کو اب تک اس کے صحیح استعمال کا موقع نہیں مل پایا ہوگا۔ ممکن ہے انہیں کی طرح اوروں سے بھی صحیح استعمال کی جانکاری لی گئی ہو اوروں نے چیلا کھانے سے انکار کر دیا وہگا۔ وہ بے جا

خواہش ظاہر کرنے کی اوقات نہیں رکھتے۔ خواہش، بے جا خواہش گھر والوں کی ہوتی ہے۔ گھر میں آ کر رہنے والوں کی نہیں۔

ان کی پسند کی بات پوچھی جائے جو کبھی پوچھی جاتی تھی ـــــ انہیں اپنا دیسی کھانا ہی پسند ہے۔ پزا، برگر، نیوڈلس، رشئین، سلاد وغیرہ وغیرہ انہیں نہیں بھاتے، نہ ہضم ہوتے ہیں۔ دلّی آنے کے ہفتے بھر بعد بابو جسونت سنگھ کو لگا تھا کہ انہیں نریندر سے اپنا عذر ظاہر کر دینا چاہئے۔ کھانے میں کچھ بھی کھانا ان کے لئے ممکن نہیں۔ فریز میں رکھا باسی اُس کی اماں نے کبھی انہیں نہیں کھلایا۔ اس لئے پیٹ کو اس کی عادت نہیں۔ روٹی بھی فوراً سِکی ہی کھا سکتے ہیں وہ۔ بنی رکھی دانتوں سے چبائی نہیں جاتی۔ جواب میں نریندر کی بھی لمبی چوڑی تقریر نے جسونت سنگھ کو نصیحت پلائی کہ آئندہ وہ اپنی پسند کی گنجائش اس گھر میں نہ ڈھونڈیں تو بہتر ہے۔ نریندر کی صلاح واجب لگی کہ انہیں وقت کی مارا ماری دیکھ وقت کے ساتھ چلنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

اماں نے ہمیشہ ان کی پسند کا ہی خیال کیا۔ اسے اور شالنی کو وہی کھانا پڑتا جو اس روز ان کی کھانے کی خواہش ہوتی۔ اس پر بھی ان کی سخت ہدایت ہوتی ہے کہ کھانے کی تھالی سے نہ بچے کوئی چیز نکلوائیں گے نہ کھانا چھوڑ اناج کی توہین کریں گے۔

آئی آئی ٹی کان پور میں ہوتے ہوئے بھی بابو جسونت سنگھ کا سخت حکم تھا کہ نریندر کو گھر پر رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہوسٹل میں رہے۔ پڑھائی میں یکسوئی رہے گی۔ ہوسٹل کے گھٹیا کھانے کی گھر پر چرچا منع تھی۔ اکیلے

وہی نہیں کھاتا۔ سب کھاتے ہیں۔ زندگی میں کچھ بننے کے لئے 'تیاگ' پہلی شرط ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔

اماں گھر سے بنا کر کچھ بھیجنا چاہتیں تو وہ بدسلوکی پر اتر آتے تھے......

گاؤں سے آئے رام سیوک ککّا کے ہاتھوں اماں ان سے چھپا کر اس کے ہوسٹل شکر پارے اور کٹہل کا اچار بھیجوا رہی تھیں۔ دیکھ لینے پر انہوں نے ککّا کی سائکل کے کیریر میں بندھی اچار کی مٹکی اور شکر پارے اٹھا کر گیٹ کے باہر پھینک دیئے تھے۔

سن کر بابو جسونت سنگھ کو تذبذب ہوا۔

انہیں لگا تھا کہ ماضی کی تلخیاں دل میں بٹھائے نریندر سے اخلاق وتہذیب پر بحث بے سود ہے۔ انہوں نے کیا سوچ کر، کس لئے سختی کی تھی بچوں پر۔ تب ان کے لئے سمجھ نا پانا فطری تھا۔ مگر این ٹی پی سی کے چیف انجینئر مسٹر نریندر رکشواہا کے دل کے کونے میں دُبکے بیٹھے اس احساس کو کیا نام دیا جائے؟

نریندر کو یہ یاد نہیں کہ اس کی الکٹریکل انجینئرنگ کی پڑھائی کے لئے بابو جسونت سنگھ نے اپنی پی ایف کی رقم توڑ دی۔ بغیر کسی پش وپیش کے۔ یہ غلط نہیں کہ اسے ہوسٹل میں رکھنے کے لئے انہیں کتنی مشقت کرنی پڑی۔ نوکری میں وہ رشوت خور نہیں تھے کہ رشوت خوری کو اوپری آمدنی کا ذریعہ بنا اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرز پر تکلیف سے نجات پا لیتے۔

بڑی گھٹیا سی بات ہے مگر تھی سچ۔ ممبئی کے ہفتے بھر کے قیام سے لوٹنے کے بعد انہیں بڑے دنوں تک اس بات کا ملال ہوتا رہا تھا کہ یار دوستوں کے

دباؤ کے باوجود وہ ایک خوبصورت ناکام فلمی اداکارہ کے ساتھ تگڑی فیس کے چلتے رات نہیں گزار سکے تھے۔

اُن کے ساتھی ''ویک اوستھی'' نے ان کا مذاق اڑایا تھا۔'یار تم کیسے ٹھاکر ہو؟ ہو بھی ــــــ ''آئی ڈاؤٹ؟''

OO

بغل سے گزر رہی پامیرین کُتیا کی طرف ٹامی نے انہیں پوری طاقت سے گھسیٹا۔ وہ تھوڑا بھی ہشیار نہ ہوتے تو یقیناً گھسٹتے چلے جاتے۔ انہیں یاد آیا۔ ان کے ہاتھ میں چھڑی نہیں ہے۔ چھڑی لے کر نہیں نکلے بابو جسونت سنگھ۔ ایسی لاپرواہی کیسے ہوئی اُن سے؟ ایک بار گرا چکا ہے وہ انہیں! آج بھی گرا دیتا۔ آفت ہے۔ ڈمیں تو آیا زنجیر چھوڑ دیں سالے کی ــــــ جا بھاگ مر۔

لیکن زنجیر چھوٹی نہیں......

دوسری غیر موجودگی

بلد بو

یہ صبح! جس نے طلوع آفتاب کے ساتھ ان کی آنکھ نہیں کھولی تھی بلکہ بابو جسونت سنگھ کی نیند اُڑی کروٹوں میں آدھی رات کو ہی اُگنے لگی تھی اور جسے صرف ہلکی روشنی کے انتظار بھر تھی جو انہیں راستے کے ان اشاروں کو پکڑنے کی سہولت بھر دے سکیں جس کے کنارے انہیں میورو ہار کی اس پلیا تک پہنچا سکتے تھے ـــــ جہاں وہ پہنچنا چاہ رہے تھے۔

بیتی دوپہر بابو جسونت سنگھ کو اچانک خیال آیا کہ ہفتوں پہلے کرنل سوامی نے انہیں اپنے گھر کا ٹیلیفون نمبر کسی پُرزے پر لکھ کر دیا تھا۔ جسے اُنہوں نے اپنی لوہے کی کھاٹ کے سرہانے، گدّے کے نیچے پہلے سے ہی دبا کر رکھے ہوئے کچھ دیگر کاغذوں کے درمیان لاپرواہی سے دبا دیا تھا۔ سوچ کر کہ روز ہی ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اس پُرزے کی ضرورت انہیں شاید ہی کبھی پڑے۔

پُرزہ تلاش کرنے میں انہیں کافی مشقت کرنی پڑی۔

خود پر جھنجھلاہٹ بھی ہوئی کہ فضول قسم کی دوائیوں کے بل، ایکسرے رپورٹ، کان پور والے ڈاکٹر سکسینہ کے پرانے پرسکرپشن ـــــ جن کا کہ یقیناً ہی یہاں کوئی استعمال ہونے والا نہیں ـــــ کیوں انبار لگا رکھا ہے کہ

سرہانے رکھی ضروری چیز بھی ان میں گم ہو جاتی ہیں۔

ٹیلیفون کا پرزہ حاصل ہوتے ہی لگا کہ قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا۔

قارون کے خزانے کے ساتھ اتفاق سے ہاتھ لگ گیا۔ تریویندرم سے نواسا اور نواسی کے ذریعہ ہاتھ سے بنا کر بھیجا گیا برتھ ڈے کارڈ۔ جذباتی ہو آئے بابو جسونت سنگھ۔

کارڈ سے ہی انہیں پتہ چلا تھا کہ ان کے برتھ ڈے کی تاریخ نریندر کے گھر ہی پڑی اور منہ چھپائے بیت بھی گئی۔

نریندر نے بھی چرچا نہیں کی کہ آج اس کے بابو جی کا برتھ ڈے ہے۔ برتھ ڈے جو اور دنوں سے الگ نریندر سے ایک ٹیلیفون کی توقع رکھتا تھا اور ''چرن پرش بابو جی'' سن کر بہت خوش ہو 'دعاؤں' کی بوچھار سے اسے بھگو دیتا تھا۔ علی الصباح ٹیلیفون کی پہلی گھنٹی بجتی تھی اس کی سب کو پچھاڑتے ہوئے۔ سنتے ہی شالو تنک کر کہتی۔ اتنی صبح اس نے مبارک بادی کے لئے فون اس لئے کیا کہ وہ برتھ ڈے کی مبارکباد دینے میں بھیّا کو پچھاڑنا چاہ رہی تھی اور......

ہو سکتا ہے، یہی سوچ کر نریندر نے یاد نہ دلایا ہو!

کرنل سوامی کا پرزہ چٹکی میں دبائے دسیوں دفعہ ان کے گھر کا فون کھٹکھٹایا۔ پھر یکا یک بیدار ہوئے۔ بہو سنینا کی غائبانہ موجودگی نے غائب رہتے ہوئے انہیں ٹوکا۔ جو ان کے سلسلے میں واضح نہیں ہوتا اور صرف انہیں ہی نظر پڑتی ہے۔

آدھے گھنٹے سے کسے فون لگا رہے ہیں بابو جی؟ گھر میں آنے والا کوئی

ضروری فون اٹک سکتا ہے۔ صبح نریندر کا موبائل چارجر پر لگا رہتا ہے۔ گھنٹی بج رہی ہے تو دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ گھر پر لوگ موجود نہیں بھی ہو سکتے ہیں۔ فون ٹھیک ہے یا نہیں جاننے کے لئے 197 سے پوچھا جا سکتا ہے۔ انہیں کہا بھی جا سکتا ہے کہ وہی یہ نمبر ملا کر دے دیں۔ معلوم ہو جائے گا، اصلیت کیا ہے۔

بابو جسونت سنگھ نے ٹیلیفون کے سامنے سے اٹھ لینا ہی مناسب سمجھا۔

افسردہ پن کے باوجود امید کا سرا مضبوطی سے تنا ہوا تھا۔ صبح کرنل سوامی سے ملاقات ضرور ہوگی۔ ایک ہی دن تو ملاقات نہیں ہو پائی ان سے۔ دوسری صبح بھی نہیں ہوگی اس تکلیف دہ اندیشے سے انہیں نجات ملنا چاہئے۔ ناپسندیدہ جو بھی واقعہ ہوا ہو۔ اطمینان ہے کہ کرنل سوامی دکھ، غم، لپیٹ کر رکھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ ہمیشہ تر و تازہ۔ اوروں کے لئے بھی ایندھن کے بہتر ذرائع۔

ورنہ ان سے ملنے سے پہلے 'دہلی چلے کیوں آئے' جیسے خیال بابو جسونت سنگھ کو واپس کانپور جانے کو ستاتے رہے۔ وہ اپنے سے ہی پریشان ہو اٹھتے۔

'یہاں رہ کر بہن جی کی یاد سے نجات پانا مشکل ہے۔ دہلی میں دکھ بھول جائیں گے۔'

گمٹی والے اہلووالیہ بھائی صاحب نے سمجھایا تھا ـــــ 'پیارے پیارے پوتوں کے ہڑدنگوں میں۔ بچے ہی غموں کا علاج ہیں۔'

اہلووالیہ بھائی صاحب کے گھر کمپیوٹر نہیں ہوگا، ورنہ ان کا بھی مہاورہ بدل

چکا ہوتا۔

ان کی ضد تھی کہ وہ انہیں خط ضرور لکھتے رہیں۔ لکھنے کی سوچتے بھی ہیں۔ پہلا اڑکاؤ اٹکتا ہے انہیں کہ لکھنے بیٹھیں تو لکھیں کیا؟ کہ پوتوں میں وہ ان کے مطابق نریندر کی معصومیت نہیں تلاش کر پائے۔ نریندر کی تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی، مگر مصروفیت نے انہیں مہلت نہیں دی۔ اب تو فرصت ہی فرصت ہے کہ وہ نریندر کی معصومیت (چھٹپن) کو ہاتھوں ہاتھ بھر کھیل سکے، دُلار سکیں۔ مگر وہ ان کے ہاتھ ہی نہیں آتا۔ وجہ ٹٹولتے رہتے ہیں۔ کیوں ہاتھ نہیں آرہا؟ ان دنوں لگ رہا کہ وہ کمپیوٹر کے ہوم چڑھ گیا ہے۔ کمپیوٹر جو دیتا ہے ___ وہ دینے میں ناکام ہیں۔ ان کے تجربہ میں بے موضوع ہوا ٹھے ہیں۔ علم محدود۔ تار چھوٹ جانے پر جڑیں تو کیسے؟

'دادو، ایک بات بتائیے۔ ایک کوئیز کے سوال کا جواب دینا ہے پھٹا پھٹ۔'

'سیون ونڈرس میں جو مصر کے پیرامڈس ہیں نہ۔ اُن میں سب سے بڑا کون سا ہے اور کس کا ہے؟'

'چوتھے شاہی خاندان کا ہے، اتنا بھر یاد ہے مجھے۔'

'دادو، اتنے سے کام نہیں چلے گا۔' ملئے ناامید ہوا۔

'اچھا یہ بتا دیجئے، کتنا اونچا ہے؟'

'یہ بھی یاد نہیں بیٹے۔ بھول گیا ہوں......'

'اچھا ٹھیک، نیٹ پر پتہ کرتا ہوں۔'

کچھ دیر بعد ملئے نے اُنہیں آکر بتایا۔ سب سے بڑا پرامڈ مصر کے راجا خُوفو

اور ان کی بیگم کا مقبرہ ہے اور زمین سے اس کی اونچائی 481 فٹ ہے۔ اسے دکھ ہوا کہ اُسے جواب نہیں آتا تھا اور اُسی کے چلتے وہ کوئیز ہار گیا۔ جی ٹی وی کے پروگرام چلانے والے کو اُسے ٹیلیفون پر فوراً جواب درج کروانا تھا۔

OO

کھٹ، کھٹ، کھٹ ـــــ بابو جسونت سنگھ اُٹھ تے ہوئے بند کواڑوں پر تھاپ دے رہے ہیں۔ کواڑ نہیں کھل رہے۔ سٹکنی چڑھی ہوئی ہے شاید۔ اندر کیسے داخل ہوں؟ اچانک کان میں کوئی پھسپھساتا ہے کون؟ کون ہے؟ بولو؟ سٹکنی کیوں نہیں کھل رہی؟

پھسپھساہٹ کوئی تعارف نہیں دیتی۔ صرف پھسپھساتی ہے ـــــ

"سنو؟ کواڑوں پر زور دو، زور لگاؤ۔ سٹکنی کھلی ہوئی ہے۔ کھلی ہی رہتی ہے......

اتوار کا دن تھا شاید۔ شاید نہیں اتوار ہی تھا۔ کرنل سوامی انہیں نوئیڈا کے جمنا ویراج سے لگے کالندی کنج گھمانے لے گئے تھے۔ تربیت سے سنواری ہریالی دیکھ فریفتہ ہوا ٹھے تھے بابو جسونت سنگھ۔ ایسا گھنا بڑا باغ، وہ بھی ان کے گھر سے کوئی خاص دوری پر نہیں۔ اندازہ ہی نہیں تھا۔ نریندر نے بھی کبھی ذکر نہیں کیا۔ گھوما نہیں جا سکتا تو سن کر تو لطف لیا جا سکتا ہے۔ کرنل سوامی نے کیسے پوچھا تھا۔ متھرا برندا بن گئے ہو دوست؟ نہیں گئے تو کوئی بات نہیں۔ کسی روز وہاں کا پروگرام بنا لیا جائے گا۔ کون دور ہے یہاں سے۔ فرید آباد پہنچ بلبھ گڑھ پار کیا نہیں کہ متھرا پہنچے نہیں۔ فی الحال کالندی کنج لے

چلتے ہیں انہیں۔ براند بن ہی پہنچ جائیں گے۔ وہاں جمنا بھی نہیں، کنج بھی ہیں۔ نہیں ہیں وہاں تو صرف کرشن! پھر ٹھہا کہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔ کسی بیوقوفوں سی بات کر رہے ہیں وہ دو دو کرشنوں کے ہوتے ہوئے؟

'فلٹر کافی کے سوندھے گھونٹ بھرتے ہوئے انہوں نے کرنل سوامی سے اپنے دل کی بات کی۔ کمپیوٹر سیکھنے کی خواہش ہو رہی تھی انہیں۔ جانتے ہوئے بھی کہ اس عمر میں اس کا استعمال ان کے لئے خاص نہیں۔ کرشن بتائیں، انہیں کیا کرنا چاہئے!'

کرنل سوامی نے بے حد خوش ہو کر ان کا کندھا زور سے ہلایا کہ ان کے ہاتھ سے پلاسٹک کا کافی کا گلاس چھوٹ گیا۔

'نیور مائنڈ......'

'نیک ارادہ ہے مسٹر سنگھ۔' تھرمس کے ڈھکن میں کافی اُنڈیل اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کرنل سوامی بولے ــــــ 'سیکھنا ہے، سیکھئے۔ اپنی خوشی، اطمینان کے لئے سیکھئے۔ استعمال اور نا استعمال کے چکر میں نہ پڑیئے۔'

ان کا حوصلہ بلند کرنے کے ارادے سے انہوں نے اپنی مثال سامنے رکھی۔

'یہ میری گیت سنگیت سیکھنے کی عمر ہے۔ ٹیل می؟'

'وہ بھی شاستریہ؟'

'دل میں آیا، سیکھ رہا ہوں!'

اُنہیں چونکاتے ہوئے کرنل سوامی نے بتایا کہ ان کی بڑی بہو مادھوی

کرناٹک سنگیت کی مشہور گلوکارہ ہے۔ پورے ملک میں اس کی عزت ہے۔ گرہستی کی ذمہ داریوں کے چلتے پروگراموں میں حصہ لینا اُس نے ابھی بند کررکھا ہے۔ مشق اُس کا جاری ہے۔ علی الصباح غسل وغیرہ کر کے وہ 'تان پورا' سنبھال لیتی ہے۔ فیصلہ کیا ہوا ہے مادھوی نے۔ جس دن شری نواسن اور شری دھرن کی بہوئیں گھر میں داخل ہوں گی، وہ ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو، سنگیت سادھنا کو اپنا شغل بنا لیں گی۔

'جانتے ہیں کس سے سیکھ رہا ہوں؟ اپنی بہو مادھوی سے!' مادھوی کا تعارف دیتے ہوئے انہوں نے راز کھولا، 'اُس سے اچھا گرو کون ملے گا!'

بتایا، پان، سپاری، ناریل، ساتھ گیارہ روپے دے کر شاگردی اختیار کی ہے۔ باقاعدہ سنگیت کا کلاس چلتا ہے ان کا۔ دوپہر کے بعد آدھا گھنٹہ مادھوی انہیں لے کر بیٹھتی ہے۔'

'اوم لالے کنڈوآنSS، گیت کا مکھڑا یاد ہو گیا بابو جسونت سنگھ کو۔ پہلی بار اپنی مرحومہ بیوی کی چچا کی کرنل سوامی نے۔

'آخری سانسیں بھرتے ہوئے اُس نے مادھوی سے اسی گیت کو سننے کی۔ خواہش ظاہر کی تھی۔ آنکھیں بند کر مادھوی بڑی لگن سے گا رہی تھی۔ آدھی کھلی بہتی آنکھوں سے وہ ہمیں دیکھ رہی تھی۔ معلوم نہیں تھا، ہمیں آخری بار دیکھ رہی ہے......'

کرنل سوامی کا گلا بھر آیا تھا۔ یا انہیں وہم ہوا تھا۔

بابو جسونت سنگھ کو خود بھی تو حلق میں کچھ 'گھمڑتا' ہوا محسوس ہوا تھا......

نریندر کی اماں کو سنگھنیاں کے بھروسے چھوڑ وہ ڈاکٹر کو بلانے اشوک نگر

دوڑے تھے......

لوٹ کر آئے تو پایا نریندر کی اماں انہیں چھوڑ کر جا چکی تھیں۔

صبح چار کے آس پاس نریندر کی اماں نے انہیں جگایا تھا۔ پیٹھ میں شدید درد کی شکایت کی تھی۔ بستر پر لیٹے رہنا مشکل ہو رہا۔ سمجھ نہیں آیا، کیا کریں اتنی رات گئے؟ اُٹھے۔ دوائیوں کے ڈبے سے کامبیفلیم کی گولی نکالی اور پانی کے ساتھ لینے کے لئے کہا۔ وولنی اشارے سے بتائی جگہوں پر ملا۔ طے کیا، صبح اٹھتے ہی ڈاکٹر کو دکھالیں گے۔ گولی کھلاتے ہی بار بار نریندر کی اماں سے پوچھتے رہے —— درد کچھ کم ہوا؟ ہو رہا ہے؟ ڈاکٹر کو بُلائیں؟ 'وولنی لگاتے ہی اسے تھوڑا آرام ملا شاید۔ منٹ بھر بعد بولی —— ناحق اُن کی نیند خراب کی۔ خود ہی اٹھ کر گولی لے لیتی، مگر درد کے اٹھتے گولے نے اُٹھنے نہیں دیا۔ سو جائیں۔ آرام محسوس ہو رہا ہے۔

صبح کے وقت برگد والی چڑیوں کی چہچہاہٹ نے جگایا تو بغل میں گہری نیند سو رہی نریندر کی اماں پر ان کی نگاہ گئی۔ اطمینان سے بھر گئے۔ درد بنا ہوتا تو سو نہ پاتی۔ انہیں یقین ہے کہ کل رات نریندر کی اماں نے بھات ضرور کھایا ہوگا۔ بھات دونوں جون کھائے بغیر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ شگر کی مریض ہونے کے باوجود بھات کھانے کی چھوٹ پانے کے لئے اس نے اِدھر نیا فارمولا نکال لیا ہے۔ چاول کے ساتھ چمچ بھر میتھی کے دانے بھگو دیتی ہے۔ کریلے کا اچار بارہ مہینے کھاتی ہے۔ کیسے بڑھ سکتی ہے شگر؟ گیس رات میں پریشان کر سکتی ہے —— اس کی فکر نہیں ہوتی اُسے۔ بہت سمجھایا ہے۔ سمجھنے کو تیار ہو تب نہ! ضرور درد گیس چڑھ جانے سے ہوا ہوگا۔

سنگنیاں چوکا صاف کرے آئی تو بابو جسونت سنگھ نے اسی سے کہا کہ وہ ان کے لئے نیمبو کی چائے بنا دے۔ پیٹھ میں درد کے چلتے رات نریندر کی اماں سو نہیں پائیں۔ دودھ بھی وہی گرم کر کے رکھ دے۔ اس کے اٹھنے پر جھوٹ بول دیں گے، خود انہوں نے گرم کر کے رکھا ہوا ہے۔

سنگنیاں کو چولہے میں ہاتھ نہیں لگانے دیتی نریندر کی اماں۔

سورج چڑھے تک جب نہیں کنمنائی نریندر کی اماں تو ہاتھوں کا اخبار انہوں نے ایک طرف رکھ کر فکرمندانہ آواز میں اسے پکارا۔

اُن کی پکار بے اثر رہی۔ اتنی گہری نیند کبھی نہیں سوئی نریندر کی اماں! قریب آ کر اس کی پیشانی کو چھوا۔ چہرہ ہلایا۔ جس طرف کر دیا، اسی طرف بنا رہا۔ لڑھکا ہوا۔

ڈاکٹر سکسینہ نے آتے ہی ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ شگر کے مریضوں کو عموماً سائیلنٹ اٹیک ہوتا ہے۔ دوسرے دل کے مریضوں کی طرح انہیں بے حد تکلیف دہ درد نہیں ہوتا کہ پاس کے لوگوں کو اٹیک کا قبل پتہ ہو سکے۔

نریندر نے کھل کر ناراضگی ظاہر کی کہ اماں کے ساتھ انہوں نے جاہلوں جیسا سلوک کیا ہے! شکایت کے ساتھ ہی انہیں فوراً اسپتال لے جانے کا انتظام کرنا چاہئے تھا۔ صبح کے انتظار میں کیوں بیٹھے رہے؟

بابو جسونت سنگھ بے حرکت خلاء میں تاکتے رہ گئے تھے۔

نریندر کیا جانے! بڑھاپا کتنا دوسروں کا محتاج کرتا ہے مرد کو، اور ان کی محتاجی شروع ہو چکی ہے۔

کسی زخمی لمحوں میں جذباتی ہو نریندر کی اماں سے تسلیم کیا تھا اُنہوں نے

کہ اپنے بچوں کو پالا ہے اپنی ہتھیلی پر۔ اس نے ان کے رونا دھونا سب کو جھیلا ہے۔ بہت مضبوط ہے۔ بگڑی عادتوں کے ساتھ اکیلے نہیں جی پائیں گے وہ۔ بار بار اندر ہمت جٹاتے رہے تھے کہ اپنے کریکٹر کی کمیوں کو لے کر معافی مانگ لیں اُس سے۔ جھگڑالو اس کا مزاج ہے۔ مگر پھر بھی بڑی ہے دل کی۔ ضرور معاف کر دے گی۔ لیکن نہیں کہہ پائے۔ نریندر کی اماں کی نظر میں خود کو چھوٹا ہوتا ہوا دیکھ پانے کی ہمت نہیں جٹی اُن کی۔

نریندر کی اماں کے نہ رہنے پر یہ بھی سمجھ میں آیا کہ ان کا اکثر اُکتا کر یہ سوچنے لگنا کہ اس کے نہ رہنے پر ہی ان کے دن چین سے کٹینگے، کتنا بڑا وہم تھا۔ تب زندگی بھر وہ وہموں میں ہی جیتے رہے یا وہموں نے ہی انہیں جلائے رکھا؟

بھول نہیں سکتے۔ اماں کے لئے زیادہ محبت بگھارنے والے بیٹے نریندر نے ان کے کام میں بال اتروانے سے منع کر دیا تھا۔ بالوں میں کیا رکھا ہے۔ بالوں میں کیا رکھا ہے۔ ریا کاری میں اسے یقین نہیں۔ کمپنی وزٹ کرنے باہر سے لوگ آ رہے۔ چوتھا کر کے دلّی چلا جائے گا۔ تیرہویں کی صبح لوٹ آئے گا۔ انہیں لے کر بھی سگ بگ شروع ہو گئی تھی۔ یا موقع کی نزاکت دیکھ تشویش جتانے کی رسم ادائیگی ہو رہی تھی۔ تیرہویں کے بعد اکیلے رہ کر وہ یہاں کیا کریں گے؟ نریندر بھیا کے ساتھ ہی دلّی نکل دیں۔ شالنی اور چوہان صاحب کی رائے تھی۔

کچھ دنوں بعد سوچیں گے۔ خود نریندر کو خبر کر دیں گے۔ ان کے کھانے پینے کو لے کر فکر مند نہ ہوں، انتظام ہو جائے گا۔ سنگنیاں کے پیسے بڑھا

کر اُس کا ایک گھر چھوڑ وادیں گے۔ جیسی بھی کچّی پکّی کھانا بنا دے گی۔ گزر کر لیں گے۔ ان کا جواب تھا۔

بابو جسونت سنگھ نے دلی منصوبہ کیا تھا۔ سنگنیاں پر ان کے منحصر رہنے کی بات شالنی کو ٹھیک نہیں لگی تھی۔

'مہاراجن لگا لیں بابو جی۔'

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

'کہیں تو بغل والی پانڈے آنٹی سے کہہ کر جاؤں، طے کر دے گی کوئی آپ کے لئے۔'

تبھی اہلو والیہ بھائی صاحب نے شالنی کو مطمئن کیا۔

'گڈی چنتا کاہے کر رہی؟ ہمارے گھر سے کھانا آ جایا کرے گا تیرے بابو جی کے لئے۔'

اپنی بیوی کے غم کو بھول نہیں پائے تھے بابو جسونت سنگھ کہ ایک اور ذہنی حادثے نے انہیں صدمہ پہنچایا۔ اٹھتے بیٹھتے خوف محسوس کرنے لگے۔

اچانک خبر ملی ـــــ بچپن کا دوست ہری ہر دوبے کی موت ہو گئی۔

برہانہ روڈ، ''منگل بھون'' میں کوٹھری نما دو کمرے اور دالان والی پرانی رہائش تھی ہری ہر کی۔ مہینہ بھر پہلے کولکاتا سے چھوٹے بیٹے آدتیہ کے یہاں سے لیزر سے موتیا بند کا آپریشن کروا کر لوٹا تھا۔ آتے ہی فون کیا تھا۔ بھوجی بغیر ملے چلی گئی۔ سن کر افسوس ہوا۔ سال بھر سے بند پڑا گھر کھولا ہے اس نے۔ کوٹھریوں میں چمگادڑ لٹک رہے۔ صاف صفائی کروا کر آؤں گا ملنے۔ ڈھانڈرس بندھایا۔ اُس کے سامنے کون سے پتے کھولے۔ کھُلے کھُلائے

ہیں۔ کوشلیا گئی چھوڑ کر تو چاروں بچوں میں سے کوئی سا تو اں درجہ پاس نہیں کر پایا تھا۔ پی ڈبلیو ڈی کی چادر ہی کتنی تھی؟ ٹیوشنیں کیں۔ چولہا چکّی پھونکا۔ پڑھایا بچوں کو۔ بھانورے ڈلوائیں۔ گرہستی بسوائی۔ اس کے اوپر کم سے کم کوئی ذمہ داری تو باقی نہیں؟

آدتیہ آنے نہیں دے رہا تھا۔ لڑ جھگڑ کر آیا ہے کہ آنکھیں تو ہیں ساتھ۔ کچھ دن بھجن پوجن میں گزارنے کی خواہش ہے۔ کنبھ پڑتے ہی الہ آباد کلب واس کے لئے چل دے گا۔

......تین روز بعد گھر کا دروازہ توڑا گیا۔

بدبو نے پڑوسیوں کو پریشان کیا تب! نسل بدل گئی تھی 'منگل بھون' کی۔ کب آتا جاتا تھا، کسی کو کوئی لینا دینا ہی نہیں تھا۔

لاش چارپائی کے نیچے پڑی ملی تھی ہری ہر کی۔ ایک ہاتھ سینے پر دبا ہوا تھا۔ پوسٹ مارٹم سے پتہ لگا کہ زبردست ہارٹ اٹیک ہوا تھا اُسے دروازے کی سائیکل کھولنے چارپائی سے اٹھنا چاہا ہوگا۔۔۔۔۔ ڈھیر ہوگیا۔

دیکھ بھی نہیں پائے اُسے بابو جسونت سنگھ۔ پوسٹ مارٹم نے ہری ہر کو بدبو چھوڑتی بندھی گٹھری میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہری ہر کی جگہ وہ بدبو کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے......

ہری ہر کی یادیں پریشان کرتیں۔ جی مچلاتی بدبو نے انہیں کئی دنوں تک سونے نہیں دیا۔ ناک سے چپکی بدبو جیسے انہیں ہمیشہ محسوس ہوتی رہتی۔ چوبیسوں گھنٹے کمرے میں اگربتی سلگائے رکھتے۔ باہر نکلتے تو کان میں عطر کی پھلیا رکھ لیتے۔ ڈاکٹر سکسینہ فکرمند ہو آئے۔ بلڈ پریشر کیوں بڑھا ہوا

ہے ان کا۔ دوا وغیرہ دینے کے باوجود قابو میں نہیں۔

ڈاکٹر سکسینہ نے ماہر امراض ذہنی، ڈاکٹر دیتہ سے اُن کی چھ میٹنگ کروائی، تب کہیں جا کر وہ صحت یاب ہوئے۔

ماہر امراض ذہنی نے اُن کے مسائل کو واضح کیا—— معمولی سی ذہنی پریشانی ہے، دراصل بد بو کچھ اور نہیں، خوف ہے۔ اکیلے پن کا خوف۔ اُنہیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کچھ دن بیٹے کے پاس دہلی رہ آئیں۔ کچھ دن کیوں؟ وہیں کیوں نہیں رہتے! اس عمر میں اکیلے رہنے کی کوئی تک نہیں۔ اکیلے وہ رہے جس کی کوئی خیر خبر لینے والا نہ ہو۔

نریندر کو جھجک کی وجہ سے فون نہیں کر پائے بابو جسونت سنگھ!

ترویندرم بیٹی شالو کا فون لگایا۔ نواسے، نواسیوں سے باتیں کیں۔ اُن کی بوند بھر چہک سے چہکے۔ پھر آہستہ سے شالو کو اطلاع دی۔ آج کل اُن کا بلڈ پریشر بڑھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر سکسینہ ان کے لئے فکر مند ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ اب انہیں دہلی رہنا چاہیے۔

'آپ نے ہماری سنی نہیں بابو جی، ہم تو پہلے ہی کہہ رہے تھے۔ مہاراجن مل گئی تھی بابو جی؟'

بابو جسونت سنگھ نے فون ایسے کاٹا جیسے فون خود سے کٹ گیا ہو۔ کچھ دیر بعد نریندر کے فون کی گھنٹی بجی—— 'بابو جی آپ اپنی تیاری کر لیجیے۔ اگلے ہفتے میں آپ کو لینے آ رہا ہوں......'

یہ کیا جگہ ہے دوستو!

بابو جسونت سنگھ کو نہیں فیصلہ کرنے کی حالت، زیادہ وقت تک اُلجھائے نہیں رہی۔سوئی کا کانٹا مقررہ وقت پار کر چکا ہے۔اب کرنل سوامی کے پہنچنے کی کوئی امید نہیں۔انہیں یہ بھی لگا کہ گھومنا ان کی صحت کے لئے نہایت ضروری ہے اور انہیں پچون پُل کی طرف اکیلے ہی گھومنے نکل جانا چاہئے۔کرنل سوامی انہیں ملتے ہی لتاڑیں گے۔گھومنے کیوں نہیں گئے؟ ان سے ملاقات ہونے سے پہلے کیا وہ سیر کرنے نہیں نکلا کرتے تھے؟ اوپر سے انہیں یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا بلڈ پریشر شاید بڑھا ہوا ہے۔رات نیند دسیوں بار اُچٹیں۔لگا کہ صبح ہوگئی ہے۔اندھیرے نے سمجھایا کہ یہ وقت سونے کا وقت ہے۔سو جائیں۔صبح، اُنہیں خود جگا دے گی۔الارم کے بجتے ہی بلڈ پریشر دیکھنا ضروری ہے۔دکھانا تو انہیں ہر پندرہ دن میں چاہئے لیکن ڈاکٹر انوراگ چتر ویدی کی فیس اس سمت میں قدم نہیں بڑھانے دیتی۔یوں تو ڈاکٹر انوراگ نریندر کے اچھے جاننے والے ہونے کی وجہ سے اپنی بولی میں شہد گھولے رہتے ہیں۔اتنی کہ لگنے لگتا ہے، یہ زبان فیس کی بات ہی نہیں کرسکتی۔مگر چلنے کے وقت دم توڑ فیس کے ڈیڑھ سو روپے گننے میں انہیں کوئی جھجک نہیں ہوتا۔کان پور میں بلڈ پریشر کے چیک اپ کا صرف پانچ روپے ہے۔انہیں پھر ـــــ پھر لگتا ہے کہ ڈاکٹر سکسینہ جیسے ڈاکٹر سچ مچ استثناء ہیں۔ان کی فیس مریض کی مالی حالت اور اوقات کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔مریض کی پہچان اور بہتر دوائیوں کے معاملے میں پورے

کان پور شہر میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

اچانک نظام الدین کے نئے بنے پل کی طرف ان کا دھیان مرکوز ہوا۔ سڑکوں کی بتیاں اب تک جل رہی تھیں......

کل گھر پہنچنے پر بہو سینا نے انہیں سنایا تھا۔

'بابو جی، آپ روز صبح اپنے کمرے کی بتی بند کرنا بھول جاتے ہیں۔'

'بھول گیا ہوؤں گا۔' بابو جسونت سنگھ نے ٹوٹی آواز میں جواب دیا تھا۔ مگر بہو سینا کے کانوں نے ان کی آواز کے ٹوٹے پن پر غور نہیں کیا______

'بھول جانے سے بجلی کا میٹر تو نہیں خاموش بیٹھ جائے گا۔'

جواب میں خاموشی سادھ لی تھی انہوں نے۔ عمر کا رونا روتے تو کیا کوئی رعایت ملتی؟ ملنی ہوتی تو بغیر مانگے دے دی جاتی۔

اپنی اماں کے نہ رہنے پر چلتے وقت نریندر نے ان سے کہا تھا______

'فلیٹ میں دو کمرے ہیں بابو جی۔ ایک وہ دونوں استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے میں بچے رہتے ہیں۔ بالکنی دو ہیں ان میں سے ایک خاصی بڑی ہے______ یاد ہو گا انہیں۔ اُسے وہ جلد ہی بلیک سلائڈنگ گلاس سے بند کروانے جا رہا ہے۔ ان کے دہلی آنے سے پہلے وہی بچوں کا کمرہ ہوگا۔'

بابو جسونت سنگھ اس وقت حیران ہو آئے جب انہیں نریندر نے دفتر کے ڈرائیور کوان کا سامان کمرے میں تبدیل کی گئی بالکنی میں رکھتے دیکھا۔

دبی زبان سے ان کی ناراضگی ظاہر کرنے پر کہ رات میں انہیں کئی دفع پیشاب کرنے کے لئے اٹھنا پڑتا ہے اور اس بالکنی میں انہیں دقت

ہو گی ـــــ نریندر نے فوراً انہیں صفائی دی ـــــ بالکنی میں لگے ہوئے صحن میں ہی تو کامن ٹائیلٹ ہے۔ ان کی ضرورت 'کموڈ' ہے اور 'کموڈ' وہاں ہے۔ بچوں کے کمرے میں کمپیوٹر جیسی قیمتی چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہاں سے انہیں ہٹایا نہیں جا سکتا۔ اس کے علاوہ بچوں کی پڑھنے لکھنے کی میزیں ہیں، ان کی کتابیں ہیں، الماریاں ہیں۔ ٹوٹیئر بستر ہے۔

سلائڈنگ کھڑکیاں کھولتے ہی گھستی تیز ہوا کے ساتھ سامنے تھی 'بی' بلڈنگ کی تیسری منزل کی انہیں کے سائز و ہیئت کی ننگی، چھوٹی سی بالکنی۔ بالکنی کے باہر کی طرف تین تاروں پر سوکھتے ہوا میں پھڑپھڑاتے اسی گھر کے کپڑے۔ کچھ ایسی بھی جنہیں عورتیں استعمال کرتی ہیں مگر انہوں نے کبھی انہیں کان پور کی الگنیوں پر سوکھتے نہیں دیکھا۔ اور تھے المیونیم کے لمبے بھاری بھرکم بکسے۔ ایک دوسرے پر چڑھے کولر۔ جالے جھاڑنے والی بانس والی جھاڑو اور نہ جانے کیا کیا اگڑم بگڑم کہ دیکھتے ہی من پھونکے چراغ سا بجھ آیا۔ لگا کہ وہ یکایک کباڑے کے انبار کے اوپر بے مروت سے اٹھا کر پھینک دیئے گئے ہوں۔

کافی دیر بعد ہوش میں آئے بابو جسونت سنگھ کے دل کو تسلی دی آمنے سامنے تنی کھڑی اونچی عمارتوں کے درمیان سیندھ لگا کر ان کی بالکنی میں داخل ہوتی بالشت بھر اُجلی دھوپ نے اور اوپر کٹی پتنگ سے لٹکے چوکور نیلے آسمان نے۔ پہلے جب بھی آئے، بیٹھک میں سوئے۔ اس بار بھی سو سکتے تھے، لیکن معاملہ دو چار روز بھر کا نہیں تھا۔ چوبیس گھنٹے بیٹھک میں رہنا کافی رونق بگاڑنے والا ہوتا ہے۔

پہلی صبح —— صبح ہی گہری نیند آئی تھی کہ سامنے والی بالکنی میں سوئے گھر کے نوکر کو جگانے کے لئے لگائی گئی، اندر کے سنگھاسن کو 'چنوتی' دیتی سی پڑوسن گرہنی کی ''چیتاونیوں'' نے جو انہیں پریشان کیا کہ پھر کوشش کرکے بھی پلک نہیں جھپکی۔ پاجی نوکر بھی کم ٹھُھراٹ نہیں تھا۔ گرہنی کی آواز کے بغیر پٹھا آنکھ نہ کھولتا۔ من میں آتا کہ بالکنی سے منہ نکال پچاس گلیاں سنائیں حرام خور کو۔ جوتے سے جھور کے رکھ دیں کہ تو پاس پڑوسیوں کی نیند کیوں حرام کر رہا ہے؟

پڑوسن نے تو ایسی پن بج لگائی کہ ان کے کمرے میں داخل ہوتی بالشت بھر اُجلی دھوپ اور کٹی پتنگ سے چوکور آسمان نے بھی منہ پھیرلیا۔

شام ہونے کو تھی اور جو پانچ بجے سے پہلے ہی گھرنی شروع ہو جاتی تھی۔ اُس دن بھی تقریباً شروع ہو چکی تھی۔ بابو جسونت سنگھ صبح کا چھوٹا اخبار 'ہندستان ٹائمس' پڑھ رہے تھے۔ بے نظیر بھٹو دلی آئی ہوئی تھیں اور اسٹار ٹی وی کے خاص پروگرام اسٹار ٹاک کے حوالے سے اس دن اخبار کی ہیڈ لائنیں تھی —— 'پرویز پلانڈ کرگل وہین آئی واز پی ایم۔' اخبار پڑھنے کا ان کا کوئی وقت نہیں ہوتا تھا۔ گھر والوں سے انہیں خالی ملنا چاہئے۔ اخبار پڑھتے ہوئے انہیں اپنی بیکاری سے نجات ملنے جیسی خوشی محسوس ہوتی تھی۔

بے نظیر کی بے باکی انہیں رِجھائے ہوئی تھی مگر رجھنے کے باوجود وہ اس منطق سے بچ نہیں پا رہے تھے کہ برسر اقتدار رہتے ہوئے بے نظیر نے یہ ہمت کیوں نہیں دکھایا کہ، تبھی دروازے کی گھنٹی نے دھیان ہٹایا۔ دروازہ کھولنے بابو جسونت سنگھ کم ہی اٹھتے ہیں۔ بہو سنینا ہی کھولتی ہے یا پھر بچے۔

جان بوجھ کر نہیں اٹھتے کہ اجنبیوں سے ان کا تعارف ہے نہیں۔ کسے اندر بلائیں کسے باہر کھڑا رکھیں ـــــ یہ کوئی چھوٹی مشکل نہیں۔

"بابو جی چڈھا صاحب کو اندر بلا کر بٹھا لیتے۔" چڈھا صاحب کے جاتے ہی انہیں یہ سیکھ دی گئی تھی۔

دوبارہ بجی گھنٹی نے انہیں اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

بہو سنینا شاید گہری نیند سو رہی تھی۔

دروازہ کھولتے ہی اندر کا سنگھاسن ہلانے والی پڑوسن کو سامنے کھڑا پا کر انہیں خاص طور سے اندر آنے کے لئے دعوت دے کر بابو جسونت سنگھ بچوں کے کمرے کی طرف بڑھے۔ ملے نلے کمپیوٹر پر مصروف نظر آئے۔ بہرے ہونے کی حد تک کھیل میں ان کا مشغول ہونا انہیں اچھا نہیں لگا۔ بولے صرف اتنا۔ جا کر ماں کو اٹھا دو۔ سامنے والی بلڈنگ کی آنٹی آئی ہیں اُن سے ملنے۔

پلٹ کر بابو جسونت سنگھ نے بے نظیر والی رپورٹنگ پر خود کو دوبارہ مرکوز کر لیا۔ لیکن پڑھتے ہوئے کچھ اُکتائے ہوئے نظر آئے۔

انہوں نے سنا کہ پڑوسن اور بہو سنینا کے درمیان بات چیت نہیں، تیکھی جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ ہو گا کوئی سوسائٹی کا مسئلہ۔ آئے دن غیر مطمئن ممبروں میں الزام در الزام چلتے رہتے ہیں۔ کبھی پارکنگ چارج کو لے کر تو کبھی اچانک ڈیڑھ گنا کر دیئے گئے رکھ رکھاؤ فیس کو لے کر۔ شکایت یہ بھی ہے کہ جنرل باڈی کی میٹنگ میں زیادہ تر ممبر پہنچتے نہیں۔ تجویز پاس ہو جانے پر نا اتفاق جتانے لگتے ہیں۔ منتظمین پر 'بے لگام' کا الزام لگاتے

ہوئے۔ میٹنگ جب بھی ہوتی ہے—— اتوار کی صبح دس بجے ہوتی ہے۔ ممبر ہیں کہ دس بجے تک سو کر اتوار کی چھٹی منا رہے ہوتے ہیں۔ نریندر کمیٹی کا ممبر ہے۔ بہو سنینا سے سنا ہے انہوں نے۔

بابو جسونت سنگھ اُس وقت مبہوت رہ گئے۔ جب پڑوسن کے جاتے ہی غصّہ سے بھری بہو سنینا اُن کے کمرے میں آ کر اُن پر برس پڑی——

آخر بابو جی اس عزت دار سوسائٹی میں ان کی عزت خاک میں ملانے پر کیوں اتارو ہیں؟ اپنی عمر کا لحاظ کیا ہوتا۔ ابھی بھی جوانی کا جوش ہو تو دقّت کیسی؟ چلے جایا کریں ریڈ لائٹ ایریا۔ کون پنشن کم ملتی ہے انہیں جوان کی موج مستی میں ہاتھ بندھے ہوں۔ کم سے کم اڑوس پڑوس کی لڑکیوں پر تو نظر نہ ڈالیں۔ منہ دکھانے لائق رکھیں انہیں سوسائٹی میں۔

حیرت زدہ بمشکل منہ کھول پائے بابو جسونت سنگھ۔

'آخر ہوا کیا ہے؟ کیا کیا ہے میں نے؟'

'کیا کیا ہے، آپ نہیں جانتے؟'

'بتاؤ گی نہیں تو کیسے جان پاؤں گا۔'

'آپ...... آپ نے سامنے والی مسز راوت کی بیٹی کو دیکھ پائجامہ نہیں کھولا؟'

تہمت سن بابو جسونت سنگھ کی کنپٹیوں میں خون جوش مارنے لگا۔

'عمر میں ان کی بیٹی کے دادا نانا کے برابر ہوں۔ ایسی اُوچھی حرکت کروں گا کیوں؟'

'سو تو آپ جانیں۔ مسز راوت یہی شکایت کرنے آئی تھیں اور باقاعدہ

دھمکا کر گئی ہیں ـــــ اپنے رنگیلے سسر سے کہیے، اپنا رویہ بدل لیں، ورنہ سوسائٹی میں ہم تحریری شکایت کریں گے؟'

'یہ بھی کہہ کر گئی ہیں۔ضرورت پڑنے پر پولیس میں بھی جا سکتی ہیں'

'یقین کرو بہو، ایسی کوئی گندی حرکت.....' آواز میں ہمیشہ مونچھیں مروڑتی رہنے والی اینٹھ نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔

'بس، بس بابو جی۔صفائی دینے کی ضرورت نہیں۔اپنی حرکتوں سے باز آئیں۔سوچنے کی بات ہے۔کسی لڑکی کی ماں کسی بوڑھے پر آخر جھوٹی تہمت کیوں لگائے گی؟ کیا مطلب ہے۔

'اور اُس کی بیٹی نینا! کوئی دشمنی ہے آپ سے اُس کی؟' غصے سے کانپتی بہو سنینا انہیں کٹ گھرے میں کھڑا کر، جوں کا توں چھوڑ۔کمرے سے باہر ہوگئی۔

بابو جسونت سنگھ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ بھلا کیسے صفائی دیں۔بغیر جرم کے مجرم قرار دیے گئے۔عجیب بات ہے اپنے ہی سننے کو تیار نہیں۔

ایسا نہیں کہ پڑوسن کی بیٹی کو بابو جسونت سنگھ نے دیکھا نہیں۔ضرور کپڑے اٹھاتے پھیلاتے نظر پڑی ہے اُس پر۔اس معصوم سی لڑکی کو دیکھ ہمیشہ یہی خیال آیا۔نریندر کی ایک بیٹی ہوتی تو گھر کے روکھے ماحول میں شاید بلند اور باریک آواز گونجتی۔

کانپتے ہاتھوں سے چشمہ اُتار، سرہانے کی تپائی پر ٹکا بے جان سے بستر پر گر پڑے۔ایک لمحہ کو لگا کہ گھومتا سر تیزی سے بھاگ رہی گاڑی کے ٹائروں سے مقابلہ کر رہا تھا۔آج کے بعد شاید اُن کے دھڑ سے اُن کا سر

غائب ہو جائے۔ کسی بھی ذلت، غم، خوشی، پریشانی، بے چینی، اضطراب وغیرہ سے نجات حاصل کرتا۔ اچھا ہے نجات پالیں۔

بھوسینا اپنے باپ سے اتنی سختی سے پیش آسکتی تھی۔

مکالمے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ـــــ سیدھے فیصلہ؟

گھومتے سر کو تکیے میں گڑا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ ہچکیوں سے لوہے کا پلنگ تھرّانے لگا۔

اندھیرے کی کالی چادر پھیلتے ہی دفتر سے گھر لوٹے نریندر نے ہمیشہ کی طرح ان کے کمرے میں آکر، جسے اب وہ کمرہ قبول کرنے لگے تھے، نہیں پوچھا ـــــ 'بابو جی' کیسے دن گزرا!'

شام کی چائے نلئے آکر رکھ گیا۔ طشتری میں چار ارا روٹ کے بسکٹوں کے ساتھ ـــــ دادو چائے پی لیجئے، بھر کہہ رک۔ تخاطب میں گرمی غائب تھی۔ بچوں نے نہیں سنی ہوگی تو 'تڑاک'۔

ٹامی البتہ 'کبیریا' انہیں بستر میں پڑا دیکھ کنکواتا رہا۔ کنکواہٹ میں فرق ہے۔ تجسس ہے۔ لگا کہ جانور ہو کر بھی درد کا احساس باقی ہے۔

تکلیف ہوئی اس بات سے کہ ٹامی کی زنجیر اتنی چھوٹی کیوں ہے۔ لمبی ہوتی تو انہیں اپنے پنجوں سے چھوتا ـــــ 'اُٹھو، مجھے شام کا راونڈ نہیں دلاؤ گے؟

نلئے کے سکھا کر اخلاقاً بھیجنے کے باوجود انہوں نے رات کا کھانا کھانے سے منع کر دیا۔

نیند کی لاجوابی پر بابو جسونت سنگھ کو تعجب ہوا۔ اس رات وہ، ان لوگوں کے ساتھ لڑائی نہیں ہوئی، جن کی کوشش تھی انہیں چاروں طرف سے بے یارومددگار کر دینے کی۔

اُس رات علی الصباح اٹھنے کے لئے الارم نہیں لگا پائے تھے۔ مگر نیند ٹھیک اُسی وقت کھل گئی۔ جس وقت وہ اٹھا کرتے تھے۔

اور دنوں کے مقابلے کرنل سوامی میورو ہاروالی پلیا پر وقت سے کافی قبل براجمان تھے۔ بانہیں پھیلا دیں ان کے استقبال میں۔

'وھاٹس رانگ'۔

'ڈلیٹس میٹ'۔

'زندگی مقابلوں سے ہی جینا پڑتی ہے مسٹر سنگھ!' کرنل سوامی انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں بولے۔

بابو جسونت سنگھ نے دونوں ہاتھوں سے چہرے چھپا اپنی اُڈن کو سادھنے کی کوشش کی تھی، بکھرنا نہیں چاہتے وہ اُن کے سامنے۔

کتنے مقابلے کوئی جھیل سکتا ہے۔ کرنل سوامی ہی ایسا محسوس کر سکتے ہیں۔ دراصل بے رخی اور عیب کے چیرتے ڈنکوں سے وہ کوسوں دور ہیں۔ تصور بھی نہیں کر سکتے اُس حرکت کی، جس سے بوڑھے درخت کی شاخوں پر آری سے چلتی ہے۔ بیٹوں، بہوؤں، پوتوں، پوتیوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ گھر کی دیواریں چہچہاہٹ سے گلزار ہیں۔ ایک وہ ہیں——

سپنوں میں سپنا بُنتے ہی رہ گئے کہ کان پور والے گھر میں اُن کے پوتے پوتیاں شوروغل مچائیں۔ دیواروں پر 'ککہرا' لکھیں۔ سینکوں سے ہاتھ

پاؤں والے آدمی کی نقاشی کریں۔ پیڑ پودا بنائیں، جن میں بھرا گیا رنگ باہر پھیل پورے گھر کو چھینٹ دے۔ خالی ہاتھ گھر میں گھستے ہی ضدّی بچوں کے 'پھولے' گال انہیں واپس بازار دوڑا دیں......

کرنل سوامی کو بھانپتے دیر نہیں لگی کہ جو کچھ ہوا ہے، معمولی نہیں۔ ان کے اونچے قد کو توڑنے، پورے طور سے بکھیرنے کی کوشش ہوئی ہے۔ باہر والوں کی ٹھوکی مینخ سے پلاسٹر نہیں درکتا۔

'چلو کہیں بیٹھتے ہیں، سیر بعد میں ہو جائے گی۔'

پنٹون پُل سے پہلے مینڈ اتر دونوں جمنا کنارے کی ریت پر جا بیٹھے۔ کنارے کے ٹھہرے پانی میں گیندے کی تیرتی پھول کے ہاروں اور پولیتھین کی تھیلوں سے پیدا ہوئی بدبو کو نظر انداز کر کرنل سوامی نے ان کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھ دیا۔

'ہوا کیا دوست؟ اتنا پریشان تمہیں کبھی دیکھا نہیں۔'

'بولئے، تکلیف...... دل میں دبائے رکھنے سے گانٹھ بن جاتی ہیں۔ بہت تکلیف دیتی ہیں......'

'گانٹھ کو کھولئے، اُس کا کھلنا بہت ضروری ہے۔'

ٹھنڈی سانس ان کے درمیان کافی دیر تک پوشیدہ رہی۔

'میرے کمرے کی سامنے والی 'بی' بلڈنگ کی بالکنی کی مالکن نے گھر آ کر بہو سینا سے شکایت کی......'

'اُس کی نابالغ بیٹی کو دیکھ کر، میں نے اپنا پائجامہ اُتارا۔'

سنتے ہی کرنل سوامی کے منہ سے 'اوہ' کی شکل میں گہرا صدمہ نظر آیا۔

'میں نے ایسا نہیں کیا...... کر نہیں سکتا......'

کرنل سوامی نے چہرہ ان کی طرف گھمایا۔ غلط فہمی ہوئی کیسے؟'

'سوچا' بہت سوچا۔ دھیان آیا۔ ہو سکتا ہے، کمرے کی سلائڈنگ کھڑکیاں کھلی رہ گئی ہوں۔ بواسیر کی پرانی شکایت ہے۔ مسوں میں ہڈینسا ٹیوب لگانی پڑتی ہے۔ اُسی وقت......'

'اصلیت بہو کو بتائی؟'

'وہ کچھ سننے کو تیار نہیں۔'

ہماری تجویز ہے مسٹر سنگھ، آپ پڑوسن کے گھر چلے جائیے۔ اُسے سچائی بتا دیجئے۔ زیادہ سے زیادہ کیا کرے گی۔ یقین نہیں کرے گی نا آپ کا! نا کرے۔'

'آپ دل پر بوجھ لے کر کیوں جئیں۔'

'کس لئے جئیں۔'

'نریندر اور بہو...... بُرا مان گئے تو؟'

اچانک بابو جسونت سنگھ نے بات پلٹ کر کرنل سوامی سے عجیب سا سوال کیا ـــــ موت کے بارے میں وہ کیا سوچتے ہیں!'

ان کی بے چین دلی کیفیت سے انہیں باہر نکالنے کے خیال سے کرنل سوامی اچانک آزادانہ قہقہہ لگا کر مسخرے والے انداز میں جواب دیا ـــــ اوّل تو وہ موت کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ہیں۔ اس پر سوچنا انہیں ضروری بھی نہیں لگتا۔ موت جب آئے گی، آجائے گی۔ کسی بھی شکل میں آجائے۔ رگڑے گی ہفتہ، مہینہ، سال یا اچانک جھٹکے سے اٹھا لے گی۔

اٹھالے۔مگر ان چند تکلیف دہ دنوں کے تصور میں رات دن آدھا مردہ ہو کر جینا زندگی کا مذاق اڑانا نہیں !۔

'سرٗ لیو لائک شیر'...... اپنی طرح سے۔اپنی شرطوں پر، کرنل سوامی نے ان کے ٹھنڈے ہاتھوں کو گرمجوشی سے اپنی مٹھیوں میں بھینچ لیا۔

وہاں سے اٹھے تو صبح کی سہانی ہوا میں رہ رہ کر لرز رہے 'کاس' کے پھولوں نے ریشمی 'چھوان' سے بابو جسونت سنگھ کو چھولیا......

پنچون پُل سے اکیلے سیر کر پلٹتے ہوئے بابو جسونت سنگھ محسوس ہوا——

اکیلے کہاں تھے وہ! کرنل سوامی ان کے ساتھ ہی تو تھے۔ان کے ساتھ ہی ہیں......'

آنکھ مچولی

گھر میں داخل ہوتے ہی ٹکرائے، نریندر نے ٹوکا بابو جسونت سنگھ کو۔ انہوں نے پایا۔ سیر سے ان کے ساتھ چلے آرہے کرنل سوامی ان کی بغل میں نہیں ہیں۔

'بابو جی، آپ نے اپنی منزل پر لفٹ کھلی چھوڑ دی تھی۔'

'دراصل سیر کے لئے نکلنے کے وقت اپنا مفلر لینا بھول گیا بیٹے۔ کچھ سکینڈس کی ہی بات تھی۔ سوچا، ابھی پلٹ کر آیا جاتا ہوں۔'

'کسی نے کچھ کہا؟'

'کہنے سننے کی بات چھوڑیئے۔ آئندہ خیال رکھیں بابو جی۔ اوپر والوں کو پریشانی ہو سکتی ہے۔ لفٹ کا کیا، بٹن دبائیں گے، دوبارہ آ جائے گی۔'

بابو جسونت سنگھ شرمندہ ہو گئے۔ انہیں لوٹا دیکھ خوشی ظاہر کر رہے ٹامی کی لگاتار تھرکتی دم نے انہیں تھوڑا بھی نہیں لبھایا۔ جوتے کے فیتے کھولتے ہوئے من ہی من میں بُدبُدانے سے لگے۔ جس کو دیکھو وہی اُن پر غلیل تان لیتا ہے۔ ایک آدھ منٹ لفٹ دیر سے پہنچی تو کون سی آفت ٹوٹ پڑی؟

اس گھر میں بچوں کی شکایتیں نہیں آتیں۔ بڈھوں کی آتی ہیں۔ اس سوسائٹی کے لوگ شاید کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے نا ان کی طاقت میں کمی آئے گی اور نا یادداشت۔ ایسے کہ کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے، نہ کوئی تکلیف بیان کرے گا نہ کوئی بیماری ہوگی۔

'نریندر سے شکایت کی گئی ہوگی ـــــ تبھی تو اُسے پتہ چلا!' بدبدائے

نہیں بلکہ جیسے کسی کو سنایا ـــــ 'کوئی خواب تھوڑے ہی آیا ہوگا۔'

جہاں تک بابو جسونت سنگھ کو اس کی صبح کی روٹین کی جانکاری ہے ـــــ جب سے آئیں ہیں تب سے کہ صبح کی چائے پیتے ہوئے نریندر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ 'ای میل' پر اپنی ڈاک دیکھ رہا ہوتا ہے اور ان کے جواب بھیج رہا ہوتا ہے۔ غیر مما لک میں نوکری پائے ہوئے دوستوں سے اس کا ہمیشہ تعلق بنا ہوا ہے۔ شالو نے اڑتے اڑتے ذکر کیا تھا کہ نریندر امریکہ کی کسی نامی کمپنی میں اپنی نوکری کے لئے کوشاں ہے۔ آئی آئی ٹی کے اس کے بیچ کے زیادہ تر دوست غیر مما لک میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے ہوئے لاکھوں روپے تنخواہیں پا رہے ہیں۔ بدقسمتی سے وہی پچھڑا ہوا ہے۔ اب وہ اور پچھڑنا نہیں چاہتا۔

یہ بابو جسونت سنگھ کی اچھائی ٹھہری کہ انہوں نے سچائی قبول کی۔ بغیر کسی انکار کے، ورنہ لفٹ کے ساتھ علی الصباح جوایسی تیسی ہوتی ہے ـــــ نریندر کو کیا اندازہ۔ معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اتنی صبح اس کے لئے اُٹھنا ممکن جو نہیں۔

صبح اخبار ڈالنے والے، دودھ کی تھیلیاں پہنچانے والے، گھروں میں ٹہل کرنے والی مائیاں اور گاڑیاں دھونے کے لئے گاڑی کی چابیاں لینے والے چھوکرے ہی ـــــ لفٹ استعمال کرتے ہیں۔ آنکھ کھلنے سے پہلے عام طور پر سبھی کو اخبار چاہئے اور اخبار والوں کو اس کی خاصی فکر ہوا کرتی ہے۔ وہ جس بھی منزل کو اپنی خدمات انجام دے رہے ہوتے ہیں ـــــ

لفٹ روک کر رکھتے ہیں۔ دودھ کی تھیلیاں پہنچانے والا بھی ٹھیک یہی کرتا ہے۔ نوکر، نوکرانیوں کی تو لفٹ پر ہوتی ہی ہے۔ نریندر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کئی دفعہ گھنٹی بجا کر تھک جانے پر لفٹ کا موہ تیاگ بابو جسونت سنگھ سیڑھیوں سے اتر پڑتے ہیں۔ ٹامی کو ان کا سیڑھیوں سے اترنا راس نہیں آتا۔ لفٹ کے پاس سے وہ ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اوپر سے سوسائٹی والے عجیب ہیں۔ بوڑھوں پر ہی ان کی بجلی گرتی ہے۔ غور نہیں کرتے کہ لفٹ کی ضرورت جوانوں سے زیادہ بوڑھوں کو ہوتی ہے۔ نوکروں سے زیادہ مالکوں کو۔ حالانکہ انہیں ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔ وہ بھی انسان ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے تو کبھی اس بات کی شکایت نہ گھر میں کی، نہ سوسائٹی والوں سے کہ انہیں اکثر لفٹ صبح استعمال کے لئے دستیاب نہیں ہوتی۔

اضطراب کے باوجود بابو جسونت سنگھ کو یہ بھی لگا کہ ہوسکتا ہے، ان کا ایسا سوچنا ایک طرفہ ہو۔ لوگ غور کریں کیسے۔ انہیں سوسائٹی میں بوڑھے نظر ہی نہ آئے ہوں گے۔

کرنل سوامی سے ملاقات ہونے سے پہلے وہ خود بھی تو آتے جاتے ہم عمر تلاش کرتے رہے تھے؟ 'سی' بلڈنگ کے صرف ایک مسٹر بھٹ کے علاوہ انہیں دوسرا بوڑھا اپنے کو چھوڑ سوسائٹی میں نظر نہیں آیا؟ مسٹر بھٹ سے بھی اکثر شام کو ہی دعا سلام ہوتی تھی۔ ان سے ان کے بارے میں جانکاری ملی۔ صبح کی سیر انہیں راس نہیں آتی۔ سردی میں تو بالکل نہیں۔ شام کو ہی وہ گھومنے نکلتے ہیں۔ ان کی شام چار بجے شروع ہو جاتی ہے۔ گھومنا بغل والے بڑے پارک میں ہی ہوتا ہے۔ دور جانا ممکن نہیں۔ خطرے سے خالی

بھی نہیں۔ خطرہ اٹھائیں کیوں؟

مسٹر بھٹ نے ان کی جانکاری میں اضافہ کیا کہ کافی قبل آس پاس کی سوسائٹیوں کے بوڑھوں نے مل کر ایک 'لافنگ کلب' بنایا تھا۔ صحت کو درست رکھنے کے مقصد سے۔ نج تقریباً آٹھ بجے صبح بوڑھے پارک میں یکجا ہوجاتے اور ایک سی آواز میں کھل کر ٹھہا کے بھرنے کا مشق کرتے۔ دو ڈھائی مہینے بوڑھوں کا 'لافنگ کلب' زور شور سے چلا۔ پارک میں صبح کی سیر کرنے والے جوانوں کی لٹک رہی کھالوں اور نقلی بتیسی والے بوڑھوں کی راچھسی ہا، ہا، ہا، برداشت نہیں ہوئی۔ ان کا منطق تھا____ انہیں ان کی ہنسی ٹھہاکے کم، ہاہاکار زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ منحوسیت کب تک جھیلتے؟ مخالفت شروع ہوگئی۔ ہنسنا ہے تو جاکر اپنے گھروں میں ہنسیں۔ پارک عام لوگوں کے لئے ہے۔ کل یہاں ایک سی آواز میں وہ رونا شروع کردیں گے کہ رونا صحت کے لئے فائدے مند ہے، کیسے سہا جاسکتا ہے؟ بوڑھے ڈر گئے۔ اگلی صبح وہ ملے ضرور لیکن ہنسے نہیں۔

جوانوں سے سامنا ٹالنا ہی مناسب۔ اس لئے ان کا 'لافنگ کلب'، 'ست سنگ' میں تبدیل ہوگیا۔ پروگرام بدلنے کے ساتھ ہی وقت بھی بدل گیا۔ اترتی دوپہر پارک سونا ہوتا۔ اب ایک کی جیب سے پاکٹ ٹیپ رکارڈ رنکلتا اور اس پر آسارام باپو کے 'پروچن' کا کیسیٹ چڑھادیا جاتا۔

بوڑھے 'پروچن' سنتے اور 'مایا موہ' سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ آسارام باپو کا پروچن سنتے سنتے کچھ بوڑھے موت کی نیند سو گئے۔ ان کی جگہ نئے نئے بوڑھے ہورہے تازے ریٹائرڈ کچھ اور لوگوں نے لے

لیا ہے۔

'ہم بھی اپنی باری کی راہ دیکھ رہے مسٹر سنگھ۔ جب اوپر والے کی مہربانی ہو جائے'، مسٹر بھٹ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیئے۔ جیسے ایشور کی طرف اشارہ نہ کر رہے ہوں، موت کی دعا مانگ رہے ہوں۔

مسٹر بھٹ جب بھی بابو جسونت سنگھ سے ٹکراتے، ان سے التجاء کرنا نہ بھولتے کہ وہ ان کی بیٹھک میں آئیں......

کہیں تو وہ انہیں گھر آ کر اپنے یہاں لے جائیں!۔

شروع میں دل ڈگمگایا تھا۔

اخلاقیات نے انہیں دور رہنے پر مجبور کیا تھا کہ سوسائٹی کے کسی بھی شخص سے رابطہ کرنا ان کے لئے بہتر نہیں۔ جانے بھولے بھٹکے کب دُکھیارا منہ کھل جائے اور باتیں بہو سنینا تک پہنچ کان میں داخل ہو آئیں پھُر سی پھڑ پھڑانے لگیں۔ ان کا کورٹ مارشل ہونے میں دیر لگے گی۔

چائے میں اتنی کھٹاس بھر دی گئی ہے کہ گھونٹ بھرنا مشکل ہو رہا۔ لگتا ہے، فریج میں نیمبو موجود ہیں اور خاصی تعداد میں ہیں۔

نریندر کی اماں نے ایسی لاپرواہی برتری ہوتی تو بابو جسونت سنگھ نے چائے اُٹھا کر نالی میں پھینک دی ہوتی۔

گھولتے پانی میں پڑی پتّی جب تک اولڈ مونک رم کا رنگ نہ چھوڑ دیتی اور اُسی تناسب میں پڑا نیمبو کا رس اُسے سنہری آب نہ دے دیتا ان کی چائے گلے نہ اترتی۔ خوش سلیقہ ساس سے کچھ نہیں خوبی پائی بہو سنینا۔ ایک خوبی میں بے جوڑ ہے ـــــ شوہر نریندر کو بھیڑا بنا کر رکھنے میں۔

ایک بے کار موضوع کھٹی چائے میں سر کے سا چھلک آیا۔

انہیں ابھی بھی یہی یقین ہے کہ نریندر کا دماغ گھمانے میں بہوسینا کے اسی بے جوڑ خوبی کا ہاتھ رہا ہے۔

نریندر نے بہت پہلے کہا تھا۔ بابوجی اور اماں کی بدری ناتھ اور کیدار ناتھ جانے کی خواہش وہ ضرور پوری کرے گا۔ ان کے بغیر وہ کبھی کیدار ناتھ درشنوں کو نہیں جائے گا۔ مصروفیت کی زیادتی میں صرف اُسے ہفتے بھر کی فرصت کی تلاش ہے۔ نریندر کی فرصت کی تلاش پوری نہیں ہو پائی اور نریندر کی اماں اچانک دھوکہ دے گئیں۔

فرصتملتے ہی نریندر نے انہیں اطلاع دی۔ ستمبر کی بات ہے۔ دوستوں کے ساتھ اس کا اچانک کیدار ناتھ جانے کا پروگرام بن گیا ہے۔ اپنی گاڑی سے سبھی دوست مع اہل وعیال جائیں گے۔ بچے کی چھٹی کرانی ہوگی۔

اسے شامل لے جانے کا فیصلہ کر کے بھی دوستوں کی صلاح اسے ماننی پڑ رہی ہے۔ اس عمر میں اسے کیدار ناتھ لے جانا مناسب نہیں۔ بدری ناتھ تک سیدھی گاڑی جاتی ہے۔ کوئی پریشانی نہیں۔ مشکل ہوتی ہے کیدار ناتھ میں۔ تیرہ کلومیٹر کی دشوار چڑھائی کوئی ہنسی مذاق نہیں۔ اوپر چڑھنے پر آکسیجن کا مسئلہ۔ جسم کو لرزہ پہنچانے والی ٹھنڈ میں اگر بارش ہوگئی تو نمونیا ہونے کا اندیشہ۔ فی الوقت کیدار ناتھ میں مناسب علاج کا کوئی انتظام نہیں۔ حادثے سننے میں آتے ہی رہتے ہیں۔ ضعیف سمیت پالکی کے اٹھانے والے ہزاروں فٹ گہرے کھائی میں جا گرے۔ لاشیں برآمد ہونی مشکل ہو رہی ہیں۔

انہیں یہاں اکیلے رہنے میں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ آفس کے با اعتماد چپراسی سے بات ہو چکی ہے۔

ہفتے بھر اُس کا چھوٹا بھائی شیام نارائن ہر وقت ان کے ساتھ رہے گا۔ گیس پر کھانا بنانے میں استاد ہے۔ پکنک وغیرہ کے پروگراموں میں آفس والے بطور باورچی شیام نارائن کو ہی ساتھ لے جاتے ہیں۔

کلینڈر پر ڈاکٹر انوراگ چترویدی کے گھر اور کلینک کا نمبر درج کر کے سمجھا دیا جائے گا۔ رات میں کبھی ضرورت پڑنے پر انہیں فوراً فون کر بلالیں۔ ڈاکٹر انوراگ سے خود کہہ کر بھی جائے گا نریندر کہ بابو جی کو وہ انہیں کے بھروسے چھوڑ کر جا رہا ہے۔

'پھر بھی آپ کی مرضی ہو تو بتائیں؟'

سر سے پاؤں تک سُلگ آئے بابو جسونت سنگھ۔

پروگرام طے کر لینے کے بعد ان سے ان کی مرضی پوچھی جا رہی! وہ بھی منہ پر انگلی رکھوا کر۔ اپنی برداشت نے انہیں متحیر کیا۔

مان لینا ہوگا۔ شرون کمار اب قصّے کہانیوں میں ہی ڈھونڈنے سے ملیں گے۔

دہلی کے قابل دید مقامات کا دورہ تک انہیں کرنل سوامی نے کرایا زین کار ہے نریندر کے پاس، جس کا صحیح استعمال بی بی کے بدلیس سے آنے والے رشتہ داروں کو ائیر پورٹ لانے لے جانے، گھمانے پھرانے کے لئے ہوتا رہتا ہے۔ ایک اُن کے لئے نریندر کو فرصت تلاش کرتے نہیں ملتی۔

کہاں کی لے بیٹھے؟

کرنل سوامی کے سامنے ان کے منہ سے کہیں نکل گیا کہ ان کی کیدار ناتھ، بدری ناتھ جانے کی خواہش ہو رہی ہے تو ممکن ہے وہ اگلے ہفتہ ہی 'تیرتھ یاترا' کا پروگرام بنا ڈالیں اور کہہ دیں کہ جلد سے جلد اپنا سامان باندھئے مسٹر سنگھ......

کہا بھر تھا۔ پچھلے سات برسوں سے تھیٹر میں انہوں نے کوئی فلم نہیں دیکھی۔ تیسری صبح سیر پر کرنل سوامی نے انہیں اطلاع دی تھی۔ آج دوپہر وہ ٹھیک پونے دو بجے گلیکسو والی پلیا پر تیار کھڑے ملیں۔ 'ڈیلائٹ' میں وہ 'عکس' دیکھنے چل رہے ہیں۔ مست مست والی رویینہ انہیں بہت پسند ہے۔ بڑا بیٹا کل دفتر سے لوٹتے ہوئے بالکنی کے دو ٹکٹ لے آیا ہے۔

خواہش نے زور کی ہچکی بھری۔ 197 پر فون کر آپریٹر کو کرنل سوامی کے گھر کا نمبر دے کر ایک تو ان کا پتہ مانگیں گے اور یہ بھی پوچھیں گے کہ یہ نمبر انہیں لگ کر نہیں دے رہا خراب تو نہیں؟

197 نے بتایا، فون بالکل ٹھیک ہے۔ گھر پر شاید کوئی ہے نہیں۔ وہ پتہ نوٹ کر لیں ـــــ ای-303، سیکٹر-26، نوئیڈا۔

فون ٹھیک ہے، پھر بھی کوئی اٹھا نہیں رہا۔ کیا مطلب نکالیں۔ اس کا؟ گھسے رکارڈ سے شک وشبہ نے پینترا بدلا۔ گھر کے سارے لوگوں کی غیر حاضری سمجھ سے باہر ہو رہی۔ کیسے ممکن ہے!

'جونگا' ہے کرنل سوامی کے پاس۔ چرچا کی تھی اُنہوں نے۔ یہ بھی بتایا کہ اب گاڑی خود نہیں چلاتے۔ انہیں اکیلے کسی پارٹی میں جانا ہوتا ہے، مثلاً آرمی آفیسر کلب وغیرہ کی تو وہ اپنے لئے ٹیکسی بلوا لیتے ہیں۔ پینے پانے

کے معاملے میں بھی بے فکر رہتے ہیں۔ مع اہل وعیال جانا ہوتو بچے 'جونگا' استعمال کرتے ہیں۔ اچھی گاڑی ہے۔ 'جونگا' میں ہی اتنے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے پر لدے پھدے چہکتے، نوک جھونک کرتے، انتا کشری کھیلتے، انو کپور کی نقل اتارتے، بوگی بوگی کے پھوہڑ پن کے پرخچے اڑاتے، تہذیبی زوال کے لئے دوردرشن کو ذمہ دار ٹھہراتے اور ویسا ہونے کے لئے سرکاری پالیسیوں کو کوستے ——— منزل پر پہنچ کر چہرہ لٹکا لیتے۔ ابھی ابھی تو گھر سے چلتے تھے۔ پہنچ بھی گئے؟ 'چ'، 'چ'، 'چ' ——— یہ تو بہت بُرا ہوا۔ شیاملی کا دل بیٹھ جائے گا۔ مجبوری ہے صاحب۔ سینما دیکھنے آئے ہیں وہ بھی 'چانکیہ' میں۔ تھیٹر کے اندر انو ملک کا کن پھوڑ فلمی سنگیت سننا پڑے گا۔ شیاملی دی گریٹ کے گانے اور رونے کے فرق کو مٹاتا سریلا سنگیت سننے سے محروم رہ جائیں گے ——— 'میری پیاری شیاملی! دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔ واپسی میں گریٹ جونگا شو میں تمہیں اپنی بے سُری سنگیت کلا کے دکھانے کے اچھے موقع فراہم کیے جائیں گے۔ گاؤ گی نا!'

آنکھیں دکھاتی شیاملی اپنے پتی کی شکایت کرتی ان سے 'اُپّو ان سے کہہ دیجئے، میرا مذاق اُڑانا بند کردیں۔ بہت ہوگیا۔'

'جونگا' حادثہ کا شکار تو نہیں ہوگئی؟

اُف! بابو جسونت سنگھ نے زبان دانتوں تلے دے لی۔

'پینا تو پڑے گا ہی دوست......'

'بولئے کیا پئیں گے؟'

'نا، نا ہمارے سامنے یہ برت (روزہ) کی باتیں نہیں چلیں گی۔'

'مانا پینا چھوڑ چکے ہیں، تو کیا فرق پڑتا ہے بہت دنوں بعد ایک دفعہ پھر شروع کر لینے میں؟ شروع کر کے دیکھئے!'

ٹیبل کی اُس طرف سے کرنل سوامی اُن کی طرف جھکتے ہوئے انہیں لاجواب کرتے ہوئے مسکرائے۔

'جانتے ہیں مسٹر سنگھ، شراب سے بہت دنوں بعد ملنا اچانک پرانی پریمیکا کے سامنے پڑ جانے جیسا ہی ہیجان انگیز ہے......'

دونوں نوئیڈا ''نرولاز'' کے پہلے منزل پر بنے ''بار'' میں بیٹھے ہوئے تھے۔

مدھم مدھم روشنی کی پُر اسرار، بھرپور موسیقی میں نہائے سے، جو سامنے بیٹھے چہرے کو پڑھنے کی گنجائش نہیں چھوڑتی۔

نمکین بھنی مونگ پھلی ـــــ جو بابو جسونت سنگھ کو یقیناً ہی 'بھڑوچ' کی لگ رہی تھی اور عرصے بعد کھانے کو مل رہی تھی ـــــ مضبوط دائیں داڑھ سے چباتے ہوئے اس بات سے پریشان ہو رہے تھے کہ ان کا ہاتھ ان کے کہے میں نہیں۔ صبح ہاضمہ کی پریشانی جھیلنا ہوگی۔

کرنل سوامی نے اپنے لئے اپنی پیاری وہسکی رایل۔ چیلنج منگوائی تھی اور ان کے لئے 'بلڈی میری۔'

صبح کرنل سوامی سے طے ہوا تھا۔ گھر میں اکیلے پیتے ہوئے وہ بور ہو گئے ہیں اور بابو جسونت سنگھ کے ساتھ نوئیڈا 'نرولاج' میں بیٹھ کر ڈرنک اور ڈنر کرنا چاہتے ہیں، ٹیکسی سے وہ انہیں ٹھیک سات بجے گلیکسو کے گیٹ سے لے لیں گے۔ نکلنے سے پہلے ان کے گھر فون کر دیں گے۔ ٹھیک بارہ منٹ

بعد مسٹر سنگھ نیچے اتر آئیں۔ واپسی کی فکر نہ کریں۔ وہی چھوڑیں گے۔

نریندر گھر لوٹا نہیں تھا۔ بچے کمپیوٹر پر علاء الدین، کی سی ڈی دیکھنے میں مشغول تھے۔ بیسمنٹ میں ’اسکیٹس‘ کا مشق کرنے کے بعد۔ بھوسنینا کا مزاج بگڑا ہوا تھا۔ وہ بچوں کو خبردار کر رہی تھی۔ کمپیوٹر چھوڑا ـــــ وہ اپنا ہوم ورق نپٹا لیں۔ انہیں بھوسنینا کو اپنے باہر جانے کے بارے میں اطلاع دینا تھا کہ رات وہ گھر پر کھانا نہیں کھائیں گے۔ نویڈا ’’نرولاز‘‘ میں جا رہے ہیں۔ بھوسنینا نے ان کی بات لگ بھگ سنی اَسنی سی کرتے ہوئے روکھی آواز میں کہا ـــــ اُن کے باتھ روم میں رِن کی بٹّی رکھ دی گئی ہے۔ کپڑے دھونے ڈالنے سے پہلے وہ خود دھبّوں کو رگڑ دیا کریں۔ بچوں کے سفید یونی فارم اسی لاپرواہی کے چلتے تقریباً پیلے پڑ رہے......

بابو جسونت سنگھ یکا یک بجھ آئے۔

یہ موقع اس بات کے لئے نہیں تھا۔ بعد میں بھی تو انہیں آہستہ سے خبردار کیا جا سکتا تھا کہ خود ان کے جی کا جنجال بنے مرضِ غم کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے؟ بھوسنینا سے شاید ان کا حوصلہ سے بھرا ہونا برداشت نہیں ہو پایا۔

اِدھر ’’ہوا خارج‘‘ ہونے کے ساتھ خون نکلنے لگا ہے۔ کپڑے بھر جاتے ہیں۔ وہ خود پریشان ہیں۔ بات اُس کی صحیح ہے۔ مگر کریں کیا؟ دوا کھا رہے ہیں، ٹیوب لگا رہے ہیں۔ آپریشن سے وہ ڈرتے ہیں۔ معاملہ سنجیدہ ہونے کے باوجود ٹل رہا ہے۔ ٹال رہے ہیں۔

کرنل سوامی نے تجویز پیش کیا تھا۔ پیڈس منگوا لیں۔ عورتوں کی طرح پہن لیا کریں۔ پہننے کا طریقہ پیکٹ کے اوپر درج ہوگا۔ مسئلہ کافی حد تک

سلجھ جائے گا۔

بات دماغ میں بیٹھ گئی۔ صبح اروڑا کیمسٹ کے یہاں فون کر کے پیڈس منگوا لیں گے۔ کتنے پیکٹ منگوائیں؟ کوئی اندازہ نہ کرنل سوامی کو تھا نہ انہیں۔ کیمسٹ سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ اس بابت بھوسینا سے بات کرنا فضول ہے۔ انہیں یاد ہے۔ کچھ دوائیاں ایکدم سے ختم ہو گئی تھیں۔ بھوسینا سے انہوں نے اپنی ضرورت بتائی تو ___ اُس نے انہیں 'اروڑا کیمسٹ' کا نمبر پکڑا دیا تھا۔ کہ اُسے فون پر لکھا دیں۔ دوائیاں گھر پہنچا جائے گا اور پیسے لے جائے گا۔

ٹھیس لگی تھی بابو جسونت سنگھ کو۔ بھوسینا کو لگتا ہوگا، پنشن لیتے ہیں بابو جسونت سنگھ خاصی۔ خرچ کریں۔ دبائے بیٹھے رہتے ہیں۔

بیٹے باپ کا 'کھاتا' ہوتے ہیں ___ بھوسینا کا پتی ان کا بیٹا نہیں؟

الگ بات ہے۔ پیسے ہیں ان کے پاس۔ دیتے بھی وہی ہیں۔ نریندر کے جیب میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے۔ انہیں لگتا بھی ہے کہ انہیں دینا چاہئے۔ نیچے اترتے ہیں تو اپنی مرضی سے مِلنے مِلانے کے لئے بھی 'کچھ نہ کچھ لے آتے ہیں' 'مِلک ٹریٹ' اُنہیں خود بھی پسند ہیں۔ اپنا حصہ وہ دکان سے اترتے ہی کھا لیتے ہیں......

کرنل سوامی نے بابو جسونت سنگھ اور اپنے لئے دوسرے پیگ کا آرڈر دیا۔

'بائی دی وے' شراب اور پریمیکا سے خیال آیا مسٹر سنگھ ___ کبھی آپ نے پریم کیا ہے؟

'بیوی والا چھوڑ کے'۔ کہہ کر دبی ہنسی ہنسے کرنل سوامی۔

کھٹ سے بابو جسونت سنگھ کو لگا، بلڈی میری سے ملاقات کر کے تو نہیں، کرنل سوامی کے سوال کے ساتھ اچانک وہ شوانی کے سامنے پڑ گئے!

تیز سرسراتی سانسوں کی تپش اُن کے سینے میں آگ کی لپٹوں سا پھیلنے لگا۔

تعجب ہوا اُنہیں ــــــ دل کبھی بوڑھا نہیں ہوتا!

خود کو قابو کیا بابو جسونت سنگھ نے۔ جیسے شوانی کو اچانک اپنے سے الگ کر کروٹ بھر لی ہو اُنہوں نے۔

اُنہیں یہ بھی محسوس ہوا کہ یہ سوال اُن سے اُن کا سچ کریدنے کی بہ نسبت اپنا کچھ بانٹنے کی بے صبری سے اُپجا ہوا ہے شاید!

'آپ اپنے بارے میں بتایئے......'

'میں؟' کرنل سوامی بے سلیقے سے ہو آئے۔ فوراً گلاس سے اُنہوں نے لمبا گھونٹ بھرا۔ گھونٹ کو کچھ لمحوں کے لئے حلق سے نیچے نہیں اُترنے دیا۔

'جی آپ!' بابو جسونت سنگھ کو لگا کہ وہ اپنے انداز میں غلط نہیں ہیں۔ کن انکھیاں کھولتی مسکان اُن کے ہونٹوں پر آ بیٹھی۔

'میں SS میں آج کل اپنے جیون کے آخری پریم میں ڈوبا ہوا ہوں۔ خاموشی سے۔ کسی کو بھنک نہیں لگنے دے رہا۔ کسی روز پوکھرن سا بم بلاسٹ کروں گا۔ گھر والوں کو چت پٹ کرتے۔ بے چین ہوں اپنی گلی گڈو سے پریم کو ملوانے کے لئے۔ پریم بھی 'اُتاولا' ہو رہا دوست! آپ کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔'

کہا گیا ہے ــــــ 'یو آر لکّی کرنل! آئی این وی یو......'

ممبئی کی انیما داس کو سمجھنے میں لگے ہوئے ہیں اور انیما داس انہیں سمجھ لینا چاہتی ہیں۔ ان کے درمیان پسرا ہوا سیکڑوں میل کا فاصلہ اُن کے بالشتوں میں سمٹ رہا۔ دونوں اُس دوری کو پار کر رہے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ اُس دوری کو وہ جلد ہی پار کر لیں گے۔ بلکہ ختم کر لیں گے۔ دونوں کو یہ بھی لگ رہا کہ انہیں ایک دوسرے کو جان سمجھ لینے کے ضرورت اس لئے بھی ہے کہ جب جہاں ان کی ملاقات ہو، دونوں اجنبیوں جیسے نہ ملیں۔ ایک دوسرے کے چہرے اور شخصیت کے ایک ایک پنوں سے اُن کو واقفیت ہو۔ بالوں میں چاندی کے تاروں کو دونوں گن چکے ہوں۔ دونوں نہیں چاہتے کہ ایک دوسرے کے ساتھ گزرنے والے سنہرے وقت کو دونوں تعارف پانے اور بنانے میں خرچ کریں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو انیما داس کو لگ رہا کہ یہ وقت کا اصراف ہوگا۔ دونوں آگے کا بچا ہوا فاصلہ طے کرنے کے خواہشمند ہیں۔ انیما داس کا کہنا ہے کہ دوریاں ناپنے والے اپنے بالشتوں سے وہ اپنی کمزوریوں کو پہلے ناپیں گے۔ اُن کمزوریوں کو جنہوں نے اُن کے ماضی کے سبق کو مناسب الفاظ سے محروم رکھا!

●●

انیما داس کے پاس کمپیوٹر ہے۔ کرنل سوامی کے پاس بھی کمپیوٹر ہے۔ کمپیوٹر سے دونوں نے کچھ دنوں باتیں ضرور کیں۔ مگر اُن کچھ ہی دنوں میں انیما داس کو لگنے لگا ــــــ اپنے کو کمپیوٹر پر نہیں لکھا جا سکتا۔ تب تو اور نہیں جب اپنے کو پورا کا پورا لکھنے کا عزم ہو اور تمنا بھی کہ وہ لکھنا بعد میں اُس پورے کو

پورا کر سکے۔ انیما داس نے گہرائی تک محسوس کیا کہ معصوم بوڑھا ہے ـــــــ حاشیئے کو بھی 'ریتا' نہ چھوڑنے والی چھوٹی بڑی چٹھیاں ہی اُن کے متقصد کو انجام تک پہنچانے میں اہل ہے۔ وہ چٹھیوں میں ہی خود کو لکھیں گی۔ چھٹیوں کو تکئے کے نیچے رکھ کر سویا جا سکتا ہے۔ چٹھیاں نیند میں سپنوں میں سپنا نہیں، سچ کو بُنتی رہتی ہیں۔ چٹھیوں کی لکھاوٹ کو چھو کر انیما داس کرنل سوامی کی انگلیوں کی چھوَن چھو لیتی ہیں۔ کمپیوٹر کو تکیہ کے نیچے لا کر سویا نہیں جا سکتا۔ کمپیوٹر میں تمام تمام لوگوں کے کونے قید ہوتے ہیں۔ چٹھی صرف اپنا کونا ہوتی ہے۔ اپنی دھرتی پر اپنا آکاش اٹھائے۔ انیما داس کو اب صرف اور صرف اپنا کونا چاہئے۔ جہاں اُن کے علاوہ کوئی دوسرا اپنے لفظ نہ بھر سکے۔

......کرنل سوامی کی چٹھیوں کی ایک موٹی فائل بن رہی ہے انیما داس کے پاس۔

کرنل سوامی نے بھی انیما داس کی چٹھیوں کی فائل بنا لی ہے۔ اب انہیں لگنے لگا ہے کہ انہیں جلد ہی ملنا چاہئے۔ پہلی ملاقات کیسے ہو، کہاں ہو، اکیلے ہو یا گھر والوں کے درمیان ملیں، اپنے یا اُن کے ـــــــ طے ہونا باقی ہے۔

تصویریں بھیجی ہیں انیما داس نے اپنی۔ بلیک اینڈ وہائٹ اور رنگین۔ حسین، خوبصورت چہرے میں آنکھوں کے نیچے تین تین جھرّیاں ہیں۔ دائیں آنکھ کے نیچے شاید چوتھی جھرّی نمودار ہو رہی ہے۔ مسکراتے ہونٹوں کے دونوں کناروں پر چاقو سے چرے جیسا گہرے نشان ہیں۔ پیشانی پر فٹ رول سے جیسے دو غیر واضح سی لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔ دو اور آ جانے پر پیشانی زیادہ خوبصورت لگے گی۔ پیشانی پر بندی ندارد ہے۔

کرنل سوامی نے انیما داس کو بے جھجک لکھا ـــــ سونی پیشانی اُن کے چہرے کو 'سنپھنی' سی اُداس لئے میں بدل دیتا ہے۔ اُن سے جھیلا نہیں جا رہا۔ اُن کی پیشانی پر وہ بڑی سی بندی دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیا وہ اُن کا دل رکھ سکیں گی۔؟

انیما داس نے اگلے ہفتے ہی اُنہیں اپنی بڑی سی بندی والی نئی تصویر بھیجی۔ تصویر دیکھ کر کرنل سوامی کو احساس ہوا کہ پچھلی رنگین تصویر کی بانسبت اس دفعہ اُن کے ہونٹوں پر ہلکی لپسٹک لگی ہوئی ہے۔ کرنل سوامی کو انیما داس کا دمکتا چہرہ زیادہ سلونا لگا......

انیما داس نے انگریزی میں کرنل سوامی کے لئے 'کویتا' لکھی ہے۔ لکھا ہے 'کویتا' میں ـــــ بنا مونچھوں کے اُن کا لمبا چہرہ اُس کچے گلیارے سا لگتا ہے جس کی کنکریلی لمبائی لوگوں کو وہاں سے گزرنے سے ڈراتی ہے......

مونچھیں کتنے دنوں میں اُگ آتی ہیں۔

اُن کی مانیں تو وہ فوراً مونچھ رکھنا شروع کر دیں۔ بڑھتی مونچھوں کے ہر پڑاؤ کی تصویر میں نکلوا کر اُنہیں بھیجیں۔ مونچھیں تیار ہو جانے پر ہی وہ دونوں مل سکیں گے۔ مونچھوں کے سنبھالنے کی دقت سے نہ گھبرائیں۔ چست درست شخصیت ہے اُن کی۔ نا ہو تو سیلون میں جا کر ترتیب دلوا لیا کریں۔ ہاں، مونچھیں ویسی ہی اوپر کو اینٹھی ہوئی ہوں جیسی اُن کی 1971 کی پاکستان جنگ کی تصویر میں تھیں ـــــ

کرنل سوامی کی پچھلی تصویر دیکھ کر انیما داس خیالوں میں محو ہیں۔

لکھا ہے ـــــ جس روپ میں وہ انہیں دیکھنے کو ترستی تھیں، تصویر میں

کرنل سوامی ویسے ہی رعب دار دکھائی دے رہیں۔

انیما داس نے لکھا تھا ـــــ اُنہیں وہ دلدوز حادثہ یاد ہے جس کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ دکھ کا موضوع، اُن کی فوجی زندگی کا سب سے زیادہ چیلنج بھرا وقت تھا۔ جس لمحہ 'کچھ' کے بارڈر پر گورکھا رجیمنٹس کے اُن کے بہادر دوست، جگری دوست کرنل سمر پرتاپ سنگھ پاکستانی فوجی ٹکڑی کو پیچھے ڈھکیلتے ہوئے اُن کی توپ کے گولے کا شکار ہو گوشت کے لوتھڑوں میں تبدیل ہوا ُٹھے تھے۔ اُسی لمحہ اُنہوں نے فیصلہ کیا تھا۔ دوست شہید ہو گیا، وہ بزدلوں جیسے بچے رہے، کیونکہ اُنہوں نے بچنا چاہا تھا۔ اب وہ مونچھیں نہیں رکھیں گے۔ انہیں کوئی حق نہیں مونچھ رکھنے کا۔ بارڈر سے لوٹتے ہی انہوں نے مونچھیں مڑوا دی تھیں۔

انیما داس نے کرنل سوامی کو یہ بھی لکھا ـــــ اب ان دونوں کے ملنے کا مناسب وقت آ گیا ہے۔ انیما داس کو نینی تال بہت پسند ہے۔ پہلی دفعہ وہ کرنل سوامی سے وہیں ملنا چاہتی ہیں، نینی جھیل کے سامنے ہوٹل کلاسک ہے جس کی بالکنی سے نینا دیوی کا مندر نظر آتا ہے۔ شام کو ہونے والی 'آرتی' کی آواز سنائی پڑتی ہے۔ 'شیروڈ' اسکول نظر آتا ہے۔ دن میں، بڑے جھیل میں سامنے والے اونچے پہاڑ کی پرچھائی نظر آتی ہے۔ اگلے مہینے دسمبر کے آخری دنوں کی کسی بھی تاریخ میں 'کلاسک' میں دو کمرے ابھی سے بک کرائی دے رہی ہیں۔ ممبئی سے ہی بک ہو جائیں گے۔ تاریخ کی اطلاع جلد ہی لکھ بھیجیں گی۔ کرنل سوامی کو کچھ نہیں کرنا۔ صرف اونی کپڑوں کے ساتھ نینی تال پہنچنا ہے۔ انیما داس دلّی ہوتے ہوئے نینی تال

پہنچیں گی۔ ایک دن کے لئے دلّی ٹھہریں گی۔ کہاں، یہ نہیں بتا پائیں گی۔ مطمئن رہیں۔ نینی تال میں وہ سب سنبھال لیں گی اور جب تک اُن کا دل کرے گا، تب تک رہیں گی۔

دونوں کی ملاقات میں تقریباً سوا مہینہ باقی ہے......

مادھوی، اُشری، شیاملی کو ٹھیک نینی تال نکلنے سے پہلے اطلاع کریں گے۔ گاڑی بس کے جھنجھٹ میں نہیں پڑیں گے۔ سیدھا بھاڑے پر ٹیکسی لیں گے کرنل سوامی۔ انیما داس نے اِدھر اُنہیں ایک لمبی نظم بھیجی ہے۔ نیا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل نظم میں انیما داس نے نینی تال میں ملاقات کی تاریخ بھی لکھ بھیجی ہے۔ 28/دسمبر! انہی دنوں برف بھی گر سکتی ہے۔ نیا سال بھی شروع ہوتا ہے۔ اس سے اچھے دن نینی تال میں دوسرے نہیں ہوتے۔ اُنہیں نہیں لگتے۔

آٹھ صفحات کا نظم پا کر کرنل سوامی متحیر ہوئے۔ 'کویتا' بھی کویتا کی تخلیق کرتی ہے۔

انیما داس کی لمبی نظم کی فوٹو کاپی کرا کر لائے ہیں کرنل سوامی۔ بابو جسونت سنگھ کو دینے کے لئے۔ گھر جا کر ضرور پڑھ لیں بابو جسونت سنگھ۔ صبح سیر پر ملاقات ہونے پر اُنہیں بتائیں۔ کیسی نظم لکھتی ہیں اُن کی انیما داس۔ سلسلہ کیسے شروع ہوا۔ پکڑ میں آئی تتلی کے رنگ سے شرابور رہا، تھوڑا سا سرخ ہوا کرنل سوامی کا چہرہ، ہلکی اور مدھم روشنی کے باوجود بابو جسونت سنگھ کی اُن پر ایک طرح سے تکی نظر سے اوجھل نہیں رہ پایا۔

ہوا یوں کہ اتوار کی ایک صبح سیر سے لوٹ کر 'ٹائمس آف انڈیا' کے بیاہ

شادی والے کالم میں کرنل سوامی نے کہنی انیماداس کے ذریعے دیا گیا دلچسپ اشتہار پڑھا۔ 'تلاش ہے ایک پنشن یافتہ بیوہ ریڈر کو ایک اکیلے یا 'رنڈوا' جیون ساتھی کی جو جیون کے آخر پڑاؤ میں اُن کا ہمسفر بن سکے۔ شادی شدہ ایک لڑکے اور دو جوان بال بچوں والی بیٹیوں کی ماں وہ اپنی ذمہ داریوں سے آزاد ہو چکی ہیں۔ بچے اپنے گھر گرہستی میں لگے ہوئے ہیں اور انہیں اکیلا پن کاٹ رہا ہے۔ خواہشمند شخص اپنی تصویر، مع تعارف برائے غور وخوض ارسال کریں۔

اشتہار نے کرنل سوامی کو بے حد متاثر کیا۔ عورت کے حوصلہ نے اور بھی ـــــ اوروں کی نظر میں یہ جسارت لگ سکتی ہے۔ لگتا رہے۔ اُنہیں تو اپنا مورچہ سنبھالنے جیسی مستعدی لگی۔ کرنل سوامی نے فیصلہ کیا، انیماداس سے وہ خط وکتابت شروع کریں گے۔ دیئے گئے پوسٹ باکس نمبر پر انہوں نے اپنا تعارف، تصویر، فیملی تصویر وغیرہ روانہ کر دیئے۔ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ایسا کرتے ہوئے کرنل سوامی بہت سنجیدہ نہیں تھے۔ انیماداس کی شرائط نے مطابق وہ رنڈوا تو تھے، مگر اکیلے نہیں تھے۔ نا اکیلے پن بھری پُری فیملی میں پریشان حال۔

جواب کے لئے کرنل سوامی بے چین ضرور رہے۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد اُنہیں لگنے لگا، شاید وہ اس معاملے میں ناکام ہو چکے۔ مگر انہیں متحیر میں ڈالنا مہینے کے چوتھے ہفتے میں انیماداس کا مناسب جواب آیا۔ انیماداس کو اُن کے تعارف نے بے حد متاثر کیا تھا۔ لکھا تھا کہ ـــــ مستقبل میں وہ اُن سے رابطہ بنائے رکھنا چاہیں گی۔ لمبے انتظار کے بعد اُنہیں کوئی من کے

مطابق مناسب شخص ملا ہے۔ اپنا ' ای میل ' نمبر بھی وہ انہیں روانہ کر رہی ہیں۔ کیا وہ اپنا ' ای میل ' نمبر روانہ کر سکتے ہیں ـــــــ؟

کرنل سوامی اچانک نینی تال تو نہیں چلے گئے؟ ممکن ہے اُن کا پہلے سے طے شدہ پروگرام بدل گیا ہو اور انیماداس نے اُنہیں اطلاع دی ہو، ' ای میل ' پر ہی کہ وہ فوراً نینی تال پہنچیں۔

لیکن گھر کے لوگ۔ بہانے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے فیصلے کیا ہو کہ وہ مع اہل و عیال ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور وہ مع اہل و عیال نینی تال چل دیے ہوں۔ ممکن ہے کہ وہاں کچھ ہفتے گزار کر واپس لوٹیں۔

شاید سوچا ہو گا، ایک دوسرے کو لے کر جو بھی فیصلہ کریں، فیملی کی صلاح اور اُس کی رضامندی سے کریں۔ تاکہ مستقبل میں کسی طرح کی دشواری یا من مٹاؤ کی گنجائش نا رہے۔ ٹھیک ہی ہے۔ یہی ہونا چاہئے۔ ہونے میں کوئی اڑچن بھی نہیں۔ سبھی کے دُلارے اپو جو ٹھہرے کرنل سوامی!

بہو سنینا نکل لگا کر پوچھ رہی ہے ـــــــ بابو جی کھانا میز پر آکر کھائیں گے یا اپنے کمرے میں؟

' کھانے کی میز پر ہی آکر کھاؤں گا۔ '

بابو جسونت سنگھ کھانے کی میز کی طرف بڑھ گئے۔ بچوں کے ساتھ بیٹھنے کی خواہش ہو رہی ہے۔ بہو سنینا کی پکار اچھی لگی۔

مگر ٹامی کٹورے میں دودھ روٹی سپسپاتا ہوا سا کھا رہا۔ بغل سے گذرے مگر سر اٹھانے کی فرصت نہیں، پٹھے کو۔

مناظر نے چلنا بند کر دیا۔تھک گئے۔

سر جکڑا ہوا ہے اُن کا۔سردی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔کمرے میں اُنہیں چاہئے اُنہیں تمازت کی آنچ۔کہاں سے آئے! اُس ذلت سے بھرپور موضوع کے بعد سے اُنہوں سلائڈنگ کھڑکیوں کو آج تک نہیں کھولا۔دھوپ کھانے نیچے اُتر کر بھی جایا جاسکتا ہے۔سوسائٹی کے چھوٹے سے پارک میں بیٹھنے کے لئے کچھ بنچیں پڑی ہوئی ہیں۔کچھ لوگ اس کا استعمال بھی کرتے ہیں۔بس، وہ نہیں کر پائے، کئی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے پڑوسن والا موضوع کہیں وہاں براجمان لوگوں کی آنکھوں میں اُنہیں دیکھتے ہی کن انکھیاں نہ بھرنے لگے۔

لمبی نظم

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی بابو جسونت سنگھ کی حسب معمول سونے کی عادت رہی ہے۔ بہت کوشش کی اُنہوں نے کہ کھانا کھانے کے بعد کچھ لمحہ آرام کر بستر چھوڑ دیں۔ جا کر میز کرسی پر بیٹھ جائیں۔ یہاں میز کرسی نہیں ہے تو سرہانے کا ٹیکا ضروری ہے۔ پرانی سہی، کوئی کتاب پڑھنے کے لئے کھول لیں مگر کتابوں نے بھی جیسے اُن سے 'راڑ' ٹھان رکھی ہے۔ مشکل سے ایک آدھ صفحہ پلٹتے ہیں کہ اندھا دھند جمہائیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ مجبوراً اُنہیں کتابیں صرف رات میں ہی پڑھنی اچھی لگتی ہیں۔ نیند کی آنکھ مچولی شروع ہوئی نہیں کہ وہ کتاب کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ نیند کا غلبہ اُن پر طاری ہونے لگتا ہے۔ یقیناً ہی اس سلسلے میں وہ پریم چند اور رویندر ناتھ ٹیگور کے شکرگزار ہیں، وہ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اُنہیں نیند کی گولیوں کی عادت سے دور رکھا ہوا ہے۔ بابو جسونت سنگھ کو جانکاری نہیں ہے کہ اِدھر کے تخلیق کاروں میں کوئی اتنا پُر اثر والا ہے یا نہیں!

دوپہر کے مسئلہ کی کوئی صورت ہاتھ نہ لگنا اُنہیں پریشان کیے ہوئے ہے۔ کان پور سے شروع ہوا ڈکاروں کا بے شمار سلسلہ دلّی میں چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا۔ گھینگواتے سے پھوٹتے ڈکاروں کی تیز آواز بہو سنینا کو اُس کا کھایا پیا اُلٹ دینے کی حد تک متلا جاتے ہیں۔

صبح کی لمبی سیر کے اثر ان کی صحت پر پڑا ہو تو پڑا ہو ــــــ پیٹ نے اُس کے اثر میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ کھانا معقول مقدار میں لیتے ہیں۔

بابو جسونت سنگھ۔ پھر بھی سمجھ نہیں آتا کہ پیٹ کی مشینری پر بوجھ کس چیز کا ہے کہ وہ اپنا کام ٹھیک سے کرنے کو راضی نہیں۔ مصیبت کی اس گھڑی میں انہیں نریندر کی اماں کی یاد ستاتی ہے۔ سودے سلف کے لئے بازار نکلتی تو بازار میں آئے نئے پاچک چورن اور گولیوں کے نمونے خریدنا نہ بھولتی۔ کچھ دن اُن کے اثر سے انہیں راحت محسوس ہوتی۔

بہو سنینا کی ان پر بندوق داغنے کی خواہش ہوتی اور سیدھا 'حملہ' کرنے سے بچتی تو بڑے سلیقے سے نریندر کا کندھا استعمال کرتی۔

'کھانا کھانے کے بعد ذرا کمرے میں ٹہل لیا کیجئے بابوجی۔'

'کون سے کمرے میں؟'

'یہی عادت آپ کی ٹھیک نہیں ـــــ ہر بات کو دیگرے لیتے ہیں۔'

'تم کبھی بوڑھے نہیں ہوگے نریندر؟'

سوال بڑھاپے اور جوانی کا نہیں بابوجی ـــــ اڈجسٹمنٹ کا ہے۔'

'بالکل ٹھیک ـــــ یہی سیکھ تم اپنی بہو کو کیوں نہیں دیتے؟ اُسے نہیں سیکھنا چاہئے۔ بزرگوں کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے؟ چھینک، پاد، ڈکاریں جوانی اور بڑھاپا نہیں دیکھتی نریندر!'

'ہاضمہ جس کا بھی درست نہیں ہوگا۔ یہ پریشانی تو اسے ہوگی ہی ہوگی۔'

بحث میں نہ اُلجھ نریندر کمرے کی طرف پلٹ گیا۔ بند کمرے کے باوجود، اُٹھتی آوازوں نے انہیں اس گھر میں اور بھی غیر کر دیا۔

اس وقت بابو جسونت سنگھ دربے سے کمرے میں قدم ناپ رہے تھے اور سینے، گلے کو سہلاتے ہوئے، ڈکاروں کا راستہ صاف کر رہے تھے۔

تبھی ان کے دروازے پر نلنئے نے تھپکی دی اور انہیں اطلاع دی کہ ان کا فون آیا ہے۔ فون کی طرف لپکتے ہوئے بابو جسونت سنگھ بے حد خوش نظر آئے۔ کرنل سوامی لوٹ آئے گھر ـــــ؟

انہیں نا اُمید کرتی ہوئی فون پر کوئی ہڑبڑائی ہوئی سی لڑکی ملی۔ لڑکی نے ان کے 'ہیلو' کرتے ہی اُن سے جاننا چاہا ـــــ کیا وہ جسونت تاؤ جی سے بات کر رہی ہے؟

تاؤ جی؟ کون ہو سکتا ہے انہیں تاؤ جی کہہ کر پکارنے والا؟ لڑکی بات بہت سلیقے سے کر رہی ہے۔

'بولو، بول رہا ہوں'۔

'تاؤ جی! کان پور سے ہم سمترا بول رہے ہیں نیتا جی کی بڑی بیٹی۔ آپ کیسے ہیں؟'

نیتا جی! او S ہو! رام کھلاون یادو کی بٹیا۔ ایک دم دماغ میں کوندا۔ خوش ہوئے۔

'ٹھیک ہوں، ٹھیک ہوں بٹیا۔' بابو جسونت سنگھ نے جواب دیا۔ سمجھ گئے۔ اب سنگنیاں سے بات ہو سکے گی۔

اُدھر فون پر سنگنیاں آ گئی۔ بابو جسونت سنگھ کی لمبی غیر موجودگی سے اُپجی دکھ و غم کی جھلک اُن کی آواز سنتے ہی سنگنیاں کی آواز میں اُبھری۔ بابو جسونت سنگھ نے چھوٹتے ہی شکایت کی ـــــ اتنے دنوں سے اس نے فون کیوں نہیں کیا؟ سنگنیاں نے یہ کہہ کر لاچاری ظاہر کی ـــــ کیسے کرتی؟ فون گھر والوں کی آنکھ بچا نیتا جی کی بڑی بٹیا ہی لگا دیا کرتی ہے۔ سو

وہ یہاں تھی نہیں۔ اڈھائی مہینے بڑی بٹیا لکھنؤ رہی۔ پڑھائی کی کوٹی ٹی رہے نگ، تھی اُس کی۔ وہاں سے لوٹتے ہی وہ بنارس نکل گئی۔ بڑے بھائی کے لئے دلہن پسند کرنے۔ کل بھور لوٹ کے آئی ہے۔ آج فون لگا دیا اس نے تو مالک سے بات ہو رہی ہے۔ مالک ذرا اُس کی بات غور سے سنیں۔ مالک بیٹھے ہوئے ہیں اس سے کوسوں دور۔ اونچ نیچ سمجھنا ہو سنگنیاں کو تو وہ کس سے صلاح و مشورہ کرے؟ الٹا سلٹا پاٹھ پڑھانے والوں کی آس پاس کوئی کمی ٹھہری۔ ایک بات۔ نیتا جی ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ سنگنیاں ان کی پارٹی میں آجائے۔ بہت جلدی پر دیش میں چناؤ ہونے جا رہے۔ پارٹی کی طاقت بڑھانے کی خاطر پچھڑوں کو ایک جٹ ہونا ضروری ہے۔ انہیں مل جل کر بابھن ٹھاکروں کا تختہ پلٹنا ہوگا۔ تبھی پچھڑے سماج میں مان شان پا سکیں گے۔ اپنا بھوشیہ خود گڑھنا ہوگا۔ اپنی سرکار کی دوبارہ حکومت آنی چاہئے......

نیتا جی کہہ رہے ہیں کہ سنگنیاں کو چاہئے، وہ ان کی پارٹی۔سپا کی ممبر بن جائے۔ ممبر وہی بنوا دیں گے۔ ممبر بنتے ہی سنگنیاں کو صرف پارٹی کے لئے کام کرنا ہوگا۔ پارٹی کے دفتر میں باقاعدہ حاضری لگانی ہوگی۔ دفتر ہے ہولا گنج میں۔ اسے اتنی دور آنا جانا ہوگا، دفتر میں کام کیا کیا کرنا ہوگا____ نیتا جی نے یہ بھی سمجھا دیا ہے۔ دفتر جھاڑنا بہارنا ہوگا۔ آنے جانے والوں کو کھانے پینے کے لئے پوچھنا ہوگا۔ نیتا جی کے بارے میں پتہ کرنے والوں پر نظر رکھنی ہوگی۔ کون گھر کا بھیدی ہے۔ کون اُن سے ناراضگی اختیار کرتا ہے، سگا بن پیٹھ میں چھرا بھونکنا چاہتا ہے۔ یقیناً ہی اسے معمولی عورت سمجھ

کروہ اُن کے سامنے ہوشیار نہ ہوں گے۔

یہ بھی کہا نیتا جی نے کہ گندی بستیوں میں جا کر ذات برادری والوں کو تلاش کر خبر دار کرنے میں بھی مدد دینی ہوگی کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ باہمن ٹھاکروں نے ہمیشہ ان کی بہو بیٹیوں کی آبرو لوٹی ہے۔ پنپنے نہیں دیا انہیں۔ جوتوں کا تلوا بنا کر رکھا۔ بیگار کروایا، اوپر سے مجوری نہیں دیا۔ مجوری کے لئے منہ کھولا تو منہ میں موت دیا۔ گلا دبا کر مار ڈالا اور ندی نالے میں پھینک دیا۔ مگر اب ایسا نہیں ہو پائے گا۔ باہمن اور ٹھاکروں کے راج پاٹ کے دن لد گئے۔ اب ہم راج پاٹ کریں گے اور ان سسروں کے منہ میں...... ڈال موتیں گے۔ ایک منہ میں دس!

نیتا جی کے مطابق خدمت کے سارے مقامات سنگنیاں کو چھوڑنے ہوں گے۔ خواب دکھا رہے کہ چناؤ میں چن کر آتے ہی وہ اس کے رہنے کا انتظام کہیں اور کر دیں گے۔ کسی ٹھاکر کی چاکری کرنے کی اب اُسے ضرورت نہیں۔ نا اُس کے ہمدردی کی۔ سوروپ نگر کے آس پاس نئی جھگیاں پڑتے ہی جلدی ہی اس کا اپنا گھر ہوگا۔ پارٹی دفتر سے اسے تنخواہ ملے گی۔ گیارہ سو روپے یکمشت۔ دس تاریخ تک۔ ایک دوسری تجویز بھی دی نیتا جی نے ــــــ سنگنیاں اپنی سسرال برہن واپس لوٹ جائے۔ نیتا جی اُسے گرام پنچایت کا پردھان بنوا دیں گے۔ کسی کی مجال نہیں جو نیتا جی کے چناؤ پر انگلی اٹھا سکے۔ انگلی الگ کر دی جائے گی اُس کی۔

سنگنیاں کے ذریعہ گاؤں جانے کی تجویز کو نامنظور کرنے پر نیتا جی نے اُس پر دباؤ ڈالا کہ آخر وہ گاؤں جانے سے انکار کیوں کر رہی ہے۔ بچوں کی

فکر نہ کریں۔ بچوں کو وہ گاؤں کے اسکول میں داخل کرا دیں گے، مجبوراً سنگنیاں کو بے شرم ہوکر مخالفت میں منہ کھولنا ہی پڑا۔ مالک اسے چھما کریں۔ کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے نیتا جی سے صاف کہہ دیا۔ گاؤں میں اس کو بابھن ٹھاکروں نے نہیں ستایا۔ سگے لوگوں نے ستایا۔ سگے رشتہ داروں کے لئے بھی عورت، عورت ہی ٹھہری۔ مرد کی تیرہویں کی پانچویں رات جیٹھ نے اُسے دھر دبوچا۔ دھمکایا کہ چیخ پکار کی تو اکلوتے بیٹے کو صبح سے پہلے گاؤں کے باہر والے اندھے کنویں میں لے جا کر پھینک آئے گا۔ وہ ڈر گئی۔ منہ سی لیا۔ اتنا جور و ظلم کافی نہیں تھا۔ گھر وغیرہ میں حصہ بٹائی نہ دینا پڑے تو راتوں رات اُس کا رشتہ سزا یافتہ 'رنڈوے' بوڑھے کے ساتھ طے کر دیا کہ تیرہویں نپٹاتے ہی اس کے ساتھ سنگنیاں کی بیٹھا بیٹھی ہو جائے تو اس کے سر سے لہری کی ذمہ داری کا پاپ کٹے......

کتنے پیوند اُدھیڑے! نادانی میں جتنے اُدھڑ گئے اسی کا نتیجہ ہے۔ مالک گواہ ہیں۔ دیوی جیسی مالکن نے اسے اپنی شرن میں لے لیا۔ اسے لے جا کر پولیس میں رپٹ بھی لکھوا دی کہ اس کا جلّاد جیٹھ بھولے سے بھی ان کے بنگلے کے اردگرد پھٹکا تو اسے فوراً دھر دبوچا جائے......

سنگنیاں نے نیتا جی سے صاف صاف کہہ دیا۔ انہیں اچھا نہ لگے نا سہی۔ اسے شانتی سے اپنے بچے پالنے دیں۔ اسے نہ پارٹی کے دفتر میں کام کرنا ہے نا گاؤں کی سرپنچ گری بجانی ہے۔ ان کے گھر کا چوکا اور دوسری خدمت جب تک کروائیں گے____ کرتی رہے گی۔ بچوں کے داخلے کو لے کر وہ ان کی احسان مند ہے۔ مالک بتائیں کہ سنگنیاں نے نیتا جی کی تجویز ٹھکرا کر

صحیح کیا یا غلط۔

بابو جسونت سنگھ سنگنیاں کو سنتے ہوئے ذرا جذباتی ہو گئے۔ اتنا ہی بولے کہ انہیں سنگنیاں کا فیصلہ کبھی غلط نہیں لگا، انہیں یقین ہے کہ وہ کبھی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتی۔ سنگنیاں سے وہ اپنے دل کی ایک بات کہنا چاہتے ہیں۔ وہ انہیں مالک کہہ کر نہ پکارا کرے۔ کیا کہے؟ بابو جی کہے۔ کبھی کبھی اُس کے منہ سے بابو جی نکل جاتا ہے تو انہیں بہت اچھا لگتا ہے۔

بابو جسونت سنگھ یہ بھی جانتے ہیں کہ سنگنیاں نے فون ان سے کوئی مشورہ پانے کے لئے نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ اپنا فیصلہ ان تک پہنچانا چاہ رہی تھی۔ بے سہاروں کی دشوار کن حالات کا سودا کرنے والے سیاست دانوں کی لالچوں کی اصلیت سے سنگنیاں انجان نہیں۔ ذات برادری کی آڑ لے ووٹ بٹورنے والے اہیری دراصل ان کی نیند اڑی آنکھوں کو چین کا سپنا دکھا کر اُن کی آنکھوں میں اپنے سپنوں کی فصل اُ گا رہے ہیں۔

بستر پر لیٹتے ہی بابو جسونت سنگھ کو اچانک اس خیال نے اوڑھ لیا کہ وہ کیسے بڑے بوڑھے ہیں۔ راموتی سوموتی عرف کا تیائی اور کمدنی کے بارے میں سنگنیاں سے پوچھنا ہی بھول گئے۔ پاگل سنگنیاں کو بھی ہوش نہیں رہی نیتا جی رام کھلاون یادو راگ الاپتے ہوئے کہ انہیں بچوں کی خیر و عافیت جاننے کی بھی بے چینی ہوگی۔ انہیں اس بات کی بھی بے صبری ہوگی کہ لڑکیوں کو کیا سکھایا پڑھایا گیا۔ انہوں نے کتنا سیکھا۔ گھر آ کر کچھ سناتی، بتاتی بھی ہیں۔ کاپی، کتاب، تختی وغیرہ کسی چیز کی کمی تو نہیں انہیں کبھی ہو اور روپیوں پیسوں کے چلتے، سنگنیاں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں تو یہاں

سے سنگھنیاں کے نام وہ کچھ روپے منی آرڈر سے بھیج سکتے ہیں۔ پوسٹ آفس دور ہے پھر بھی اتنا دور نہیں کہ وہاں جایا نا جا سکے۔

اول تو بابو جسونت سنگھ نے سنگھنیاں کے بچوں کو کبھی پاس بلایا ہی نہیں۔ بھولے بھٹکے پکار بھی لیتے تو عجیب سے منہ لٹکائے جہاں کے تہاں ڈرتے سہمتے سے کھڑے ہو جاتے۔ سنگھنیاں سے ہی کہا تھا انہوں نے بچوں سے پوچھے کہ وہ ان سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔ ایک راستہ اُن سے دوستی کا انہیں سجھائی دیا تھا۔ باہر جاتے تو ان کے کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ ساتھ لے کر لوٹتے۔ وہ بھی لینے وہ ان کے پاس نا آئے۔ ہار کر چاکلیٹ ویفرس انہیں سنگھنیاں کے حوالے کرنے پڑتے۔ ان کی خواہش دیکھ سنگھنیاں نے ہی شروعات کی۔ مثلاً وہ جا کر اُن کے کمرے میں جھانک کر آئے کہ مالک سو کر اٹھ گئے یا نہیں۔ پوچھ کر آئے مالک سے کہ ان کی چائے بنا دی جائے؟ جاؤ، دروازہ پر پڑا اخبار اٹھا کر دے آؤ انہیں۔ بڑی راموتی ــــــ اونہوں؟ کاتیائنی کی جھجک کچھ کچھ کھلنے لگی تھی ان سے۔ باقی دونوں اس کی دم بنے سے کمرے میں داخل ہوتے اور اس کے پلٹتے ہی تیزی سے باہر بھاگ لیتے۔ جیسے پیچھے کاٹنے والا کتا اُنہیں بھگائے ہوئے ہو۔ کتا ــــــ وہ، وہ...... کتا! مسکراہٹ سطح سے اُچھلی مچھلی کی تیزی سے ہونٹوں پر لمحہ بھر کے لئے اُبھری۔ کتنے دنوں بعد وہ بھی اُن کے اپنے کمرے میں ــــــ موجودہ گھر میں۔

بابو جسونت سنگھ کو یاد آیا ــــــ قاعدے سے کاتیائنی کا داخلہ پچھلے برس ہی ہو جانا چاہئے تھا، کمدنی کا اس سال۔ رام رتن ابھی چھوٹا ہے۔ نریندر کی

اماں کو لڑکیوں کی فکر ستائے رہتی۔ 'مہتاری' کے گھر سے باہر ہوتے ہی جب دیکھو تب اُجڑ سی مین گیٹ پھلانگتی نظر آتی ہیں۔ اُس کا ماننا تھا کہ اسکول میں دونوں بیٹھیں گی تو پانچ چھ گھنٹے کے لئے سہی، گھر سے دور تو رہیں گی۔ زندہ ہوتی تو وہ چھوٹے رام رتن کو بھی اسکول میں داخل کرا کر ہی مانتی۔

اسی چکر میں نریندر کی اماں نے نزدیک کے سرکاری اسکول کے کئی چکر لگائے۔ معاملہ اٹک گیا برتھ سرٹیفکیٹ پر۔ کہاں سے آئے؟ پیدا ہوئی گاؤں میں۔ پرنسپل نے سمجھایا کہ گاؤں کے پردھان سے تاریخ پیدائش لکھوا کر اُس پر پنچایت کی مہر لگوالائیں۔ ہو جائے گا داخلہ۔ رام آسرے تب زندہ تھا۔ بولا، گاؤں جا رہا ہے کام سے۔ بچوں کی تاریخ پیدائش پر پردھان سے مہر لگوالاؤں گا۔ سنگنیاں گاؤں جا نہیں سکتی تھی۔ آخری راستہ مجسٹریٹ کا بچا تھا۔ مل ملا کام کرا پاتے کہ نریندر کی اماں اچانک دھوکہ دے گئی۔ نیتا جی کی بات اور ہے۔ اُن کے دبدبے سے کوئی کام کیسے رُک سکتا ہے۔

نیند سی آنے لگی بابو جسونت سنگھ کو۔

کچھ دیر بعد اٹھایا اُنہیں بہو سنینا کی آواز نے۔ اُن کے کمرے میں سنینا؟ نیند کا وہم تو نہیں؟ نیند کے وہم کم غضب نہیں ہوتے۔ کافی بڑی عمر تک انہیں بستر پر پیشاب کرنے کی عادت تھی۔ نیند میں احساس ہوتا اُنہیں کہ بالا خانہ کی منڈیر سے لگے پاخانے میں کھڑے پیشاب کر رہے......

سنینا ہی تھی۔ چھوٹی ٹرے میں اُن کی چائے اور دو ماری بسکٹس رکھ گئی تھی۔ بچے نیچے کھیلنے نکل گئے ہوں گے۔

کمرے میں اُس کے آنے سے بابو جسونت سنگھ کو بھلا ہی لگا۔ اُسے لگایا

نہیں، کہہ نہیں سکتے۔ بسکٹس میں تازگی کا کُرکُراپن ہے۔ کئی دفعہ انہوں نے محسوس کیا ہے، انہیں بچے سیلے بسکٹس پہنچا دیے جاتے ہیں۔ بہو سینا کا خیال ہو گا کہ اُن سے بہتر ردّی کی ٹوکری کوئی اور ہو نہیں سکتی۔

رات کھانے کے وقت غیر ضروری خاطر و تواضع کی قلعی کھلتے دیر نہیں لگی، جیسے ہی نریندر مطلب پر آیا۔

نریندر نے بتایا کہ صبح بہو سینا اپنے کام سے بینک گئی تھی۔ بتا رہی تھی کہ 'لاکر' کا کرایا اچانک بہت بڑھ گیا ہے۔ بابو جی اپنے کان پور والے لاکر کو سرینڈر کیوں نہیں کر دیتے؟ فضول کرایا بھرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ ویسے بھی گھر میں دو دو لاکر کی ضرورت بھی نہیں۔ جہاں تہاں چیزیں پسری پڑی رہیں تو ان کی دیکھ بھال میں بھی دقّت آتی ہے۔

نریندر نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اگر بابو جی ان سے راضی ہوں تو اسی سنیچر کو چھٹی لے کر کان پور کے لئے نکلا جا سکتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ ان کا بینک اتوار کی صبح کھلا رہتا ہے۔ صبح کام نمٹا کر شام شتابدی پکڑ کر دلّی واپس۔ سنیچر کو اسی بہانے مہینے سے بند پڑے گھر کی صفائی سنگنیاں سے کروالی جائے گی۔

بہو سینا کی یہ بھی خواہش ہے اور نریندر کو بھی اُس کی بات مناسب لگ رہی ہے کہ اماں کی گودریج کی الماری میں ٹنگی اُن کی قیمتی سلک کی ساڑیاں، شالیں وغیرہ طریقے سے سنبھال نا رکھنے کی وجہ سے ٹنگے ٹنگے گل سکتی ہے۔ بلکہ ان کا استعمال ہو تو اور بھی اچھا ہے۔ سینا شوق سے پہن لے گی۔ اماں زندہ تھیں تو سینا سے لگاتار ضد کرتی رہتی تھیں کہ اب اپنی قیمتی ساڑیاں اُن

کے کس کام کی ۔ان کی اصلی حقدار سینا ہی ہے ۔کان پور جانے سے پہلے وہ ساتھ لائی ساڑیاں اُسے پہننے کے لئے چھوڑ جائیں گی ۔مگر سینا اماں کی بات سے راضی نا ہوتی ۔اس کا منطق ہوتا کہ کان پور میں اماں کو نا طلے، رشتہ داری نبھانے کم نہیں آنا جانا پڑتا۔ ساڑیوں کا کیا ہے۔ جب مرضی ہوگی ـــــ مانگ لے گی ۔

بابو جی بتائیں کہ اس بابت اُن کا کیا ارادہ ہے ۔

بابو جسونت سنگھ کے گلے میں کافی دیر تک لقمہ اٹکا رہا۔ وہ باقی کھانا چھوڑ بے مطلب پانی کا گھونٹ لیتے رہے۔ کچھ کہنے کے لئے اپنے اندر ہمت پیدا کرتے رہے ۔ایک وقت تھا کہ اُنہیں اپنے اندر حوصلہ ڈھونڈنے بھٹکنا نہیں پڑتا تھا۔ حالات کیسے بدل جاتے ہیں، کیسے بدل گیا ـــــ

آخر اُنھوں نے منہ کھولا۔ اُن کے الفاظ کے انتظار میں بہو سینا اور نریندر کی آنکھیں اُن پر ٹک گئیں ۔منہ 'بِگراتے' رہے ۔

'نریندر!'

'نریندر، تمہاری اماں میرے لئے ابھی مری نہیں ہے......'

بابو جسونت سنگھ بھّرائے ہوئے سے یہ کہہ کر کھانے کی میز سے اُٹھ گئے ـــــ

یہ کون سے لوگ ہیں ۔اُن کی موت کا انتظار کرتے! انتظار بھی کرنے کو راضی نہیں ۔

ممکن ہے، کرنل سوامی سے نریندر اور بہو کی شکایت کرنے پر الٹا وہ اُن کے سخت مزاج کی تنقید کریں۔ کہیں کہ تمہارا بیٹا عقلمند ہی نہیں عملی بھی ہے ۔

عمل کے وقت میں عملی ہونے کی بہت ضرورت ہے۔ پھر لاکر میں جو کچھ بحفاظت رکھا ہوا ہے، انہیں کا تو ہے۔ اُنہیں کا۔ اُن تک آج پہنچے یا کل۔ کیا فرق پڑ جائے گا! اپنی ماں کی چیزوں پر اُن کا حق نہیں تو کسی کا ہوگا۔ اُنہیں بھی پتہ ہے کہ وہ چیزیں ماں کی یادگار ہیں۔ پہنیں گے، اُنہیں چھوئیں گے ـــــ ماں کو اپنے درمیان محسوس کریں گے۔ آپ تو بس موج کیجئے۔ چھوڑیئے ننانوے کا چکر۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا مسٹر سنگھ۔ اچھا ہوگا کہ آپ مرنے والوں کے ساتھ مرنا چھوڑ دیں۔ بچے مرنے والوں کے ساتھ مرنے لگیں گے تو جی نہیں سکتے۔ اُنہیں جینے دیجئے۔ خود بھی جئیں۔

کرنل سوامی کو بابو جسونت سنگھ پلٹ کر جواب دینا بھی چاہیں گے شاید دے نہیں پائیں گے کہ اُن کے بیٹے بہو اُن کے بچے جیسے نہیں ہیں۔

دل میں یہ بھی خیال آتا ہے۔ کرنل سوامی ان کی ذہنی انتشار کو محسوس ہی نہیں کر سکتے ـــــ 'جا کے پاؤں نا پھٹے بوائی، سو کیا جانے پیر پرائی۔' کرنل سوامی کے سکھ سے بابو جسونت سنگھ کو جلن ہو رہی۔ کیا وہ چاہتے ہیں کہ وہ صرف اُن کے سُر میں سُر ملائیں۔ وہی بولیں جو سننا چاہتے ہیں......

نہیں، نہیں، ایسا نہیں ہے شاید! بابو جسونت سنگھ اندرونی چوٹ سے پریشان ضرور ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ دل کے چھوٹے نہیں، نہ کمینے......

کہاں ہیں کرنل سوامی! کہاں ہیں! اُنہیں کتنی ضرورت ہے اِس وقت اُن کی۔ وہ آ جائیں اُن کے پاس تو یقیناً ہی وہ نجات پا لیں گے۔ ہری ہر دوبے بھی تو اُن کا ساتھ چھوڑ گئے......

......انیما داس کی لمبی نظم کی فوٹو کاپی کہاں گئی؟ کہاں رکھا ہے اُنہوں نے؟

سرہانے ڈھونڈنے کے باوجود ہاتھ نہیں لگا۔ پہلے بھی ڈھونڈ چکے ہیں۔

دماغ پر زور دے یاد کرنے کی کوشش کی بابو جسونت سنگھ نے۔ میٹھے سے سرور میں تھے وہ۔ کرنل سوامی نے کہا تھا ـــــ انیما داس کی لمبی نظم کی فوٹو کاپی وہ خاص طور سے ان کے لئے کرا کر لائے ہیں۔ نظم پڑھ کر صبح ملنے پر بتائیں۔ کیسی لگی اُنہیں نظم۔ کیسا لکھتی ہیں انیما داس!

یہ بھی یاد آرہا کہ صبح ملنے پر اُنہوں نے نظم کے بارے میں پوچھا ضرور تھا ـــــ 'پڑھ لی؟' اُن کے کہنے پر کہ اُنہیں تو اپنے کوٹ کی جیب میں نظم اندر دملی، پڑھتے کیسے! یہ بھی یاد نہیں آرہا کہ رات اُنہوں نے اُسے کہیں اور تو نہیں رکھ دیا۔ عموماً وہ اپنے کوٹ کی جیبوں کو خالی نہیں کرتے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے کوٹ میں تلاش کر لیتے ہیں، کہیں اور رکھتے تو وہ محفوظ جگہ صرف اُن کا سرہانا ہوتی ہے۔ سن کر کرنل سوامی خود پس وپیش میں گئے۔ کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے، دینے کا کہہ کر وہ اُنہیں نظم دینا ہی بھول گئے ہوں! ہوسکتا ہے، نیرولاج میں 'بار' کی اُسی میز پر چھوٹ گیا ہو انیما داس کی لمبی نظم! اب شاید وہ انیما داس کی لمبی نظم فوٹو کاپی نا کرا پائیں۔ وہ ایک لمحہ تھا۔ جس کا اُنہیں لگا تھا کہ اُنہیں نظم مسٹر سنگھ کو پڑھوانا چاہئے۔ پتہ نہیں وہ لمحہ اب کبھی واپس لوٹے گا بھی یا نہیں۔ پھر بھی اگر کسی دن اچانک اُنہیں انیما داس کی لمبی نظم مل جائے تو وہ اُسے پڑھیں ضرور......

یہ آنکھوں کی کوریں گیلی کیسے ہو آئیں!......

تیری غیر موجودگی

سپنا

چڑھتے دن کا وہ کوئی گیارہ بجے کے آس پاس کا وقت تھا۔ گہری نیند میں بابو جسونت سنگھ کو یہی اندازہ ہوا۔

اُس وقت بہو سپنا اور رامی کو چھوڑ کر گھر کے دوسرے ممبر موجود نہیں ہوتے ہیں۔ گھر میں ہلکی سُگبگاہٹ بھرا سناٹا ہوتا ہے اور ویسے میں بابو جسونت سنگھ کو لگتا ہے کہ لمبی سیر سے تھکی لوٹی اپنی ٹانگوں کو وہ تھوڑا ستا لینے کی مہلت دیں۔ لمبی سیر پر نہ بھی گئے ہوں تو وہ بھی قاعدہ توڑنے کے گناہ سے خود کو دور رکھتے ہیں۔ اس وقت بھی اُنہوں نے اُسی اصول کی پیروی کی۔

وہ جانتے ہیں کہ بہو سپنا کے لئے گیارہ بجے کا وقت لمحہ لمحہ چوکنّے بنے رہنے کا وقت ہوتا ہے۔ گھر کی کام والی سیتا بائی اسی وقت فرنیچر کی جھاڑ پونچھ کے علاوہ فرش کی صاف صفائی کا کام بھی انجام دیتی ہے۔ بہو سپنا کا کہنا ہے کہ ایسے وقت اُسے کسی دوسرے کام کے لئے نا کہا جائے۔ کہا جائے گا تب بھی اُس پر عمل ہونا مشکل ہے۔ اُس کے مطابق صاف صفائی کا وقت سبھی ذمہ دار گرہنیوں کے لئے اپنی کام والی بائی پر پینی نظر رکھنے کا ہوا کرتا ہے۔ جانے کب چالاکی سے وہ اُن کی کھلی آنکھوں کا کاجل نکال لے جائیں۔ ایسا کئی بار ہوا ہے اور اُسے ہفتے بھر بعد جا کر پتہ چلا کہ اُس کی فلاں فلاں قیمتی چیزیں اپنی فلاں جگہ سے غائب ہیں۔ سیتا بائی سے پوچھنے پر اُس نے اُلٹ کر سوال کیا۔ اُن کی کھڑکی کا کوّا تو نہیں بولتا؟ صبح بولتا ہے، بتانے پر سیتا بائی نے چور پکڑ لیا۔ شرطیہ میم صاحب قیمتی چیز گھر میں آ کر کوّا

لے اُڑا۔ یہ میم صاحب نے کیا کبھی سانپ کو چونچ میں دبائے چیل کو آسمان میں اڑتے نہیں دیکھا؟ بہتر ہوگا کی صبح کوّوں کا شور سنتے ہی میم صاحب گھر کی کھڑکیاں بند رکھنے کی ہوشیاری برتیں۔ پھر دیکھیں! قیمتی چیزیں غائب ہوتی ہیں یا نہیں۔

بابو جسونت سنگھ کے کانوں میں بات پڑی تو انہوں نے بہوسنینا سے اتنا ہی کہا۔ قیمتی چیزوں کو کان گلے سے روز رات اُتار کر رکھنے میں کیا تک؟ انہوں نے ویسا کرتے ہوئے نریندر کی اماں کو کبھی نہیں دیکھا۔ سہاگنوں کو ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے۔ پھر محنت کرنے والی سیتا بائی قیمتی چیزوں پر ہاتھ صاف کر اُن کے بھروسے پوری زندگی تو نہیں کاٹ سکتی؟

بہوسنینا نے ٹھنڈی آواز میں طعنہ کسا۔

اماں واقعی قسمت والی تھیں۔ اُنہیں سنگنیاں جیسی ساہوکار نوکرانی ملی۔ سبھی ایسی قسمت والے نہیں ہوتے۔

بابو جسونت سنگھ کو طعنہ چبھ گیا۔ کیوں وہ بار بار اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کی بھول کر بیٹھتے ہیں، جبکہ اُنہیں دسیوں بار، دسیوں طرح سے سمجھایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے کام سے کام تک محدود رہیں۔

بابو جسونت سنگھ کو ایسے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر وہ لوگ اُن کے گھر کو، اُن کی چیزوں کو اپنا کیسے سمجھ رہے اور اُس پر مالکانا حق جتا رہے ہیں۔

بات ظاہر کرنے پر کرنل سوامی نے اُلٹا اُنہیں ہی آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ سچ تو یہ ہے دوست، آپ کو دُکھ اوڑھنے بچھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ عام بات حملہ آور ہو اُٹھتی ہے۔ دراصل یہ اور کچھ نہیں ہے مسٹر سنگھ ——

بوڑھوں کی حکومت نا کر پانے کی ذہنی پیچیدگیاں ہیں۔

''اب چھوڑو، راج پاٹ کر لیا جتنا کرنا تھا۔ گھر کی دیواریں جب تک اپنی ملکیت بنی رہتی ہیں اوروں کا گھر نہیں بن پاتیں'۔

'چلو چھوڑ دیا'۔

اُن کی صلاح بابو جسونت سنگھ کو معقول لگی۔ کبھی کبھی اُن کا ضدی من ضد چھوڑ دیتا ہے۔ خیال کرنے لگتا ہے۔ کچھ دنوں خیال کرتا رہتا ہے۔ خود میں غور وخوض کرتا ہوا......

اوہ! نیند میں کیسی روشنی اُگ رہی ہے! بابو جسونت سنگھ نے محسوس کیا کہ اچانک کسی سپنے نے اُن کی نیند میں دستک دی ہے۔ وہ حیرت زدہ ہو اُٹھے۔ برسوں برس کی دوری کے بعد سپنا اُن کی نیند میں؟

اُنہیں یاد ہے سپنوں کی غفلت۔ جس کے 'دنش' کو کڑی محنت کے باوجود بابو جسونت سنگھ یاد نہیں کر پائے ــــــ سپنوں کی 'بے تعلقی' اُنہیں ریٹائر ہونے کے بعد جھیلنی پڑی ــــــ اور اب تک جھیل رہے ہیں۔ سپنوں نے سوچا ہوگا ــــــ بوڑھوں کی نیند میں آ کر اُن کے پوپلے 'پھوSS پھڑپ' خراٹے جھیلنا اُن کے بس کا نہیں۔ آج کیسے راستہ بھول پڑی شوانی!......

بیٹھک میں فون کی گھنٹی بجی۔ بہو سنینا نے اطلاع کی۔ اُن کا فون ہے ترویندرم سے۔ وہ کام میں الجھی ہوئی ہے۔ یعنی سیتا بائی کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ اُنہیں گہرا صدمہ ہوا۔ سپنوں کو وہ بانہوں میں نہیں بھر پائے۔

ترویندرم سے آئے فون کا مطلب ہے ــــــ بیٹی شالنی کا فون۔ پلنگ کے نیچے ہوائی چپلیں سرک گئی ہیں۔

یوں تو بیٹی شالنی رات میں فون کرتی ہے۔ گیارہ بجے کے بعد دن میں ایس ٹی ڈی کو ہاتھ لگاتے، تگڑی انٹی والوں کے بھی پسینے چھوٹتے ہیں۔

بابو جسونت سنگھ اتنا تو جانتے ہیں۔ داماد چوہان صاحب کو اُن کی کمپنی او این جی سی سے ٹیلیفون کے لئے مناسب بل ملتا ہے۔ مگر اُنہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ حد سے تجاویز ہوتا ہی رہتا ہے اور اُن لوگوں کو بل کے ساتھ بڑھی ہوئی رقم کا چیک منسلک کرنا پڑتا ہے۔ اکثر شالنی اس موقع کی تلاش میں رہتی ہے کہ دلّی سے نریندر بھیا ہی اُسے فون کرلیں اور بابو جی سے بھی اُس کی بات کروادیں۔ بتایا تھا اُس نے، سسرال والوں نے تباہ کر رکھا ہے۔ گاؤں جیٹھ جی کو، خیر و عافیت جاننے کی مقصد سے کیے گئے فونوں پر کبھی سسر جی زمین جائداد کو لے کر کورٹ کچہری میں چل رہے مقدموں کی رپورٹ لینے لگتے ہیں تو کبھی سرکاری خرید میں اُنہوں نے گنّا کتنے ٹن بیچا؟ اتر پردیش کی فکر وزیراعلیٰ ملائم سنگھ حقیقت میں کر رہے ہیں یا اخباروں میں ہی سدھار کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔

شالنی پر اُنہیں فخر ہوتا ہے۔ دل میں خراش ہوتے ہوئے بھی سسر کے سامنے وہ منہ نہیں کھولتی۔ اپنی اماں کے طور طریقے اپنا لئے ہیں اُس نے۔ نریندر کی اماں نے نہ کبھی بڑوں سے منہ زوری کی نہ اُن کے سامنے پڑتے سرنگا رکھا۔ اُن کی بہو سینا میں یہ بھی سنسنکار نہیں کہ تیج تہوار پر ہی سہی، سسر کے پاؤں لگ کر اُن کی دعائیں لے لے۔

فون سے تھوڑا فکرمند ہوئے۔

'دن میں؟ سب خیریت تو ہے بیٹی؟'

شالنی نے بابو جسونت سنگھ کی آواز کی بے چینی بھانپ اُنہیں مطمئن کیا کہ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ شوہر کے دفتر کسی کام سے آئی ہوئی ہے۔ باس آسام گئے ہوئے ہیں۔ اُن کا فون خالی ہے۔ سوچا کیوں نہ موقع کا صحیح استعمال کیا جائے اور اپنے بابو جی سے بات کر لے۔ بات کیے پندرہ روز سے اوپر ہو رہے۔ طبیعت کیسی ہے؟ دوا پانی ٹھیک سے لے رہے؟ گھمائی ہو رہی؟

اچانک شالنی نے چالاکی سے بات بدلی۔

'بابو جی، کانپور والا لاکر آپ سرینڈر کیوں نہیں کر دیتے؟'

دن میں فون کرنے کا مقصد بے مطلب نہیں رہا۔ بھائی بہن میں آپس میں بات ہوئی ہے۔ یہ بھی کہ اس مدّعے کو لے کر رات تک ٹھہرا نہیں جا سکتا تھا۔ نریندر نے سینچر کو چلنے کی بات کہی تھی۔ آج جمعرات ہے۔

'ساڑھے چھ سو روپے کرایا معمولی رقم نہیں ـــــــ بڑھتی مہنگائی کے دنوں میں۔ فضول خرچی سے بچنا چاہیے بابو جی۔'

بابو جسونت سنگھ نے چکنی چپڑی سے کنارا کیا۔

'لاکر کا کرایہ نریندر کو فضول خرچی لگ رہا، ٹیلیفون کسٹڈی میں رکھا ہوا ہے، بنگلے کا ہاؤس ٹیکس بھرنا پڑ رہا ہے، محلے کے چوکیدار کو تنخواہ کا حصہ دینا پڑ رہا ہے۔ یہ سب فضول خرچ نہیں؟'

'رہی بات زیورات کی تو سیدھی سی بات ہے شالو، تمہاری اماں کو جو تم لوگوں کو دینا تھا ـــــــ بیاہ شادی میں دے دلا دیا۔

'لاکر ساجھے میں کھولنے ضرور گیا تھا۔ باقی کیا ہے کیا نہیں، ہے بھی کچھ یا

خالی پڑا ہوا ہے، کون جانے۔'

شالنی نے لمبی سانس بھری۔ بتاتے ہوئے جیسے اُسے قسم توڑنے جیسی تکلیف ہوئی۔

'لاکر میں ابھی ہے تو بہت کچھ بابوجی! اماں کے اپنے کئی سیٹ، پانچ تولے کی آجی والی نتھ، چاندی کا ڈھیروں سامان۔'

'اماں ہمیشہ کہتی رہیں ___ اپنی پچلڑا اور کندن کا سیٹ وہ اُوتا کو دیں گی اور وِکرم کی بہو کے لئے .....'

پیروی بے مقصد نہیں۔

یاد نہیں، شالنی سے کبھی اونچی آواز میں بولے ہوں بابو جسونت سنگھ۔ معمولی ڈانٹ پر گھنٹوں سبکتی رہتی لڑکی۔ اُس کا رونا اُن سے برداشت نہ ہوتا۔ خوش کرنے کے لئے کان پکڑ لیتے۔ چپ ہو جائے۔ آئندہ اُسے کچھ نہیں کہیں گے۔ تب کہیں جا کر معصوم آنکھوں کی بارش تھمتی۔

بابو جسونت سنگھ کو لگا کہ وہ اپنے کو باندھے نہیں رکھ پا رہے۔ اُنہیں امید نہیں تھی کہ شالو اُنہیں چھوڑ اچانک بھائی اور بھابھی کی طرفداری میں جا کھڑی ہوگی۔ اُن کے لئے اُس کے من میں بھی کوئی ہمدردی باقی نہ رہی۔ جس شالو کے ٹھنکتے ہی کہ بابوجی اس اتوار کو آپ ہمارے ساتھ ہوں گے ___ بابو جسونت سنگھ بغیر رزرویشن کے کانپور کی گاڑی پکڑ لیتے۔ 'چھوٹی ماتا' ہوئی تھی جو ہفتے بھر تک اُن کی گود سے نیچے نہیں اُتری تھی۔ پاخانہ پیشاب کے لئے بھی اُٹھنا مشکل ہو جاتا تھا اُن کے لئے!......

آواز تیز ہوئی تھوڑا بابو جسونت سنگھ کی۔ اُنہیں سکھانے کی کوشش کر رہی

لڑکی، اپنے بھائی اور بھابھی کو بھی فرائض کی یاد دلائے۔ ایسی کوری سلیٹ ہیں دونوں کہ مثال ملنی مشکل ہے۔ اُن کا ماننا ہے کہ اِس گھر میں ایک نہیں دو کتے ہیں ـــــ ایک ٹامی، دوسرا ریٹائرڈ سول انجینئر جسونت سنگھ! ٹامی کی حالت بلاشبہ اُن سے زیادہ مضبوط ہے۔ اُس پسند ناپسند کی پرواہ میں بچھا رہتا ہے پورا گھر۔ اُن کے لئے کسی کو بچھے رہنے ضروری نہیں لگتا۔ ٹامی اچھی نسل کا کتا ہے۔ سوسائٹی میں اُن کے گھر کا رتبہ بڑھاتا ہے۔ اُن کے چلنے کا اُن کا رتبہ داغدار ہوتا ہے۔ داغدار ہو کر کھیل اور چندن کیوں چڑھائیں۔؟

شالنی اُن کی باتوں سے فکرمند ہوئی۔ اُسے لگا کہ بابو جسونت سنگھ کا دماغ اپنا توازن کھو رہا۔ وہ کچھ بہکی بہکی باتیں کر رہے۔ ایسی باتیں اپنی بیٹی سے اُنہوں نے پہلے کبھی نہیں کیں۔

اُس نے اپنے بابوجی کو بہلانے کی کوشش کی۔ اطمینان کے ساتھ سمجھانے اور چیزوں کی حالت خلاصہ کرنے کی بھی۔ بابو نہ خود آرام سے جی رہے، نہ بھیا اور بھابھی کو ہی جینے دے رہے۔ شوہر بیوی کے درمیان ایک دوسرے کی سمجھ کی زمین تڑک رہی۔ بھیا کے لئے اُسے بھر پانا مشکل ہو رہا۔ نہ وہ بابوجی سے کھل کر کچھ کہہ پاتے ہیں، نہ بھابھی سنیتا سے اشانت ذہنی کیفیت کے چلتے دفتر میں دل لگا کر کام نہیں کر پا رہے۔ ایسا نہیں کہ بھیا سوچتے نہیں کہ بابوجی کو کیسے خوش رکھا جائے۔ ساتھ رہتے ہوئے اُنہیں کسی طرح کی ذہنی تکلیف نہ ہو۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اُن کے مزاج میں آئی تبدیلی کی وجہ ہے ـــــ اماں کا اچانک چلے جانا۔ اکیلا پن اُنہیں کھائے جا رہا ہے۔ مگر بھیّا کی اکیلی کوششوں سے تو اشانتی کم نہیں ہو سکتی۔

بابو جی کو بھی اپنی گُپھا سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے۔ باہر تبھی نکل سکتے ہیں جب وہ خود کو نکالنے کا طے کر لیں گے۔ فیملی میں صرف اپنی عزت اور ذلت کے بارے میں نہیں سوچیں گے۔ یہ اُن کے سامنے ہے کیا جو اُنہیں فیملی کے معنی سمجھائے؟ بھیا تو یہاں تک سوچ رہے ہیں کہ جہاں بابو جی کا دل لگے، وہ خوشی خوشی رہیں ــــــ اُنہیں وہیں رکھا جائے۔ اُنہوں نے پتہ لگایا ہے کہ نوئیڈا کے سیکٹر -55 میں کوئی 'آنند نکیتن وِردھا آشرم' ہے، کیوں، نہ اُن کے رہنے کا انتظام وہیں کر دی جائے۔ ہم عمروں کی جماعت میں بابو جی کا من لگا رہے گا۔ بھیاّ جگہ دیکھ آئے ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ بہت خوبصورت ہے۔ کھانے وغیرہ کا انتظام بہت بہتر ہے۔ اُنہیں وہاں رکھنے کے فیصلے سے بھیاّ پر خرچ کا علاوہ بوجھ پڑے گا۔ بھیاّ اُسے بخوشی اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔

ہری دوار کے کسی آشرم کے بارے میں بھی بھیاّ کے دوست راجیو رائے نے اُن سے چرچا کی ہے۔ آشرم ٹھیک گنگا کنارے ہے۔ آشرم سے باہر نہ بھی نکلا جائے تو بھی آرام سے کمرے کی کھڑکی سے شام کی دل موہنے والی آرتی دیکھی جا سکتی ہے۔ بھیاّ کو آگے کی بھی فکر ہو رہی۔ ایک آدھ مہینے کے اندر امریکہ والی کمپنی کا تقرر نامہ بھی مل سکتا ہے اُنہیں۔ اماں زندہ تھیں تو بات اور تھی۔ اب اُنہیں اکیلا کان پور چھوڑنا کسی بھی نظریئے سے مناسب نہیں......

بابو جسونت سنگھ کے ہاتھ سے ٹیلیفون کا ریسور چھوٹ گیا......

ریسور فرش پر گرنے کی آواز سن بہو سینا ٹیلیفون کی طرف دوڑی۔ مگر

بابو جسونت سنگھ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

اُن کے اندر اور اندر اور اندر ـــــــــ کھڑاون کی کھٹ کھٹ آنگن پار کر چوکے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ گائے کا چارہ وغیرہ نکال کر چوکے میں سب سے پہلی تھالی اُنہیں کی پروسی جائے گی۔ وہ گھر کے بزرگ ہیں......

وہ کون؟

اُن کے 'بپّا' اور کون!

چوتھی غیر موجودگی

فلو

کروٹ بھرتے ہوئے بابوجسونت سنگھ کو اپنا چھ فٹا جسم تھرڈ ڈگری کی تکلیف جھیل کر نکلا ہوا محسوس ہورہا۔ جوڑوں کی ایسی بغاوت سالوں سے نہیں جھیلی اُنہوں نے! خود اُن کی سمجھ سے باہر ہے کہ بغیر کسی چھینک وغیرہ کے اُن پر بخار کا حملہ اچانک کیسے ہوگیا۔ لاپرواہوں کے چلتے بیٹھے بٹھائے گلے آپڑی جسمانی عادتوں کو اگر وہ سنجیدگی سے نہ لیں ـــــ جو وہ لیتے بھی نہیں ہیں ـــــ اُنہیں اپنے صحت مند جسم پر ناز ہے۔ ناز کرنے کی خاص وجہ بھی ہے۔ کان پور کے ہی جان پہچان والے اور دوست مصاحبوں میں سے کچھ لوگ ہم عمروں کے نام بابوجسونت سنگھ گنا سکتے ہیں، جنہیں پچاس پار کرتے ہی بائی پاس سرجری کروانی پڑی۔ ٹانگوں میں پلاسٹر چڑھنا جیسے عام بات ہوگئی ہے۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے! ـــــ بابوجسونت سنگھ نے دُکھتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے خود کو جھڑکا۔ زیادہ بیہودی جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ بچے ہوئے ہیں تو خیر منائیں۔ کون نریندر کی اماں بیٹھی ہوئی ہیں اُن کا پائتانہ پکڑے کہ ان کی خدمت اور تیمارداری میں خود کو غرق کر لائق ستائش محسوس کریں۔

ڈاکٹر انوراگ سخت ہدایت دے کر گئے ہیں کہ اُنہیں پینے کو گُنگنا پانی ہی دیا جائے۔ بہو سنینا نے گرم پانی تھرمس میں بھر کر تپائی پر لا کر رکھ دیا ہے۔ جب بھی اُنہیں پیاس لگے ـــــ گھونٹ دو گھونٹ ہی سہی، خود پی لیں۔

اُنہوں نے اعتراض ظاہر کیا کہ اُنہیں بہت پہلے سے تھرمس کی چائے، دودھ، پانی اُبکاتے ہیں ــــ بھوسینا نے، شانت آواز میں جواب دیا۔ تھرمس گھٹیا ہونے سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہی بہت ہے کہ بابو جسونت سنگھ کے صبح ٹامی کو فارغ کرا کے لوٹتے ہی آئی اُلٹی کی آواز نے بھوسینا کو فکرمند کیا۔ سورہے نریندر کو اُٹھا کر اُس نے اُن کے پاس بھیجا۔ باتھ روم سے بستر کی طرف ٹکراتے ہوئے نریندر نے محسوس کیا کہ اُن کی اُلٹی کو صرف بدہضمی کا بہانہ بنا کر ٹالا نہیں جا سکتا۔ ان کا جسم تپ رہا ہے۔ تھرمامیٹر نے بخار سو سے اوپر دکھایا۔ ظاہر ہے، بخار چڑھ رہا ہے۔

نریندر نے ڈاکٹر انوراگ چترویدی کو فون کر دواخانہ پہنچنے سے قبل گھر اُنہیں دیکھتے ہوئے جانے کی التجا کی۔ ڈاکٹر انوراگ نے یقین سے کہا ــــ اُنہیں 'فلو' ہوا ہے 'فلو' کی دوائیاں لکھ رہے ہیں، مگر احتیاط کے لئے ضروری ہے کہ فی الوقت کولسٹرول، یوریا، شگر وغیرہ کی جانچ کروالی جائے۔ یہ بھی جانکاری دی کہ 'اوراکیمسٹ' کے یہاں آٹھ بجے کے قریب ایس کے لیب سے ایک چلتا پھرتا پیتھولوجسٹ آتا ہے۔ آچکا ہوگا۔ فون کر نریندر اُسے گھر بلا لیں۔ شام پانچ بجے رپورٹ وہیں آجاتی ہے۔ وہ کیمسٹ کو فون کر گھر بلا لیں۔ شام پانچ بجے رپورٹ وہیں آجاتی ہے۔ وہ کیمسٹ کو فون کر رپورٹ اپنے دواخانہ منگوا لیں گے۔ ضرورت کے مطابق دوائیاں بدلنی ہوئیں تو بدل لیں گے۔ بلڈ پریشر معمولی بڑھا ہوا ہے۔ اُس کی دوا کھا ہی رہے ہیں۔ بڑھانے کی ضرورت اُنہیں محسوس نہیں ہو رہی ......

کل صبح ہی بابو جسونت سنگھ کو احساس ہو گیا تھا کہ شالو کے ذریعہ دی گئی اطلاع کے ذہنی چوٹ سے اُن کے لئے نجات پانا آسان نہیں۔ گھنٹوں وہ تکلیف میں پڑے رہے تھے، چوٹ پر چوٹ، ایک کو کرنل سوامی کی غیر حاضری اُنہیں لگاتار توازن کھوئے ہوئے ہے، اوپر سے اُنہیں بنواس دینے کا اپنی ہی اولادوں کی سازش؟ ذہنی انتشار میں پڑے پریشان ہوتے رہے کہ کوئی باپ اپنے ہی گھر والوں (فیملی) کے لئے بے عزتی کی وجہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اُن کے لئے ابھی کسی نے کیا ہی کیا ہے؟ نہ پیسوں روپیوں سے نہ مہلک مرض کے مریض ہو کر اُن پر بوجھ بنے ــــــ اُن کی جوانی کی لنگڑی مار رہے! شالو نے کیسے سن لیا؟ احتجاج کیوں نہیں کیا کہ بابو جی کو اپنے ساتھ امریکہ کیوں نہیں لے جاتے بھیا؟ کون وہ ہوائی جہاز سے لٹک جاتے۔ کان پور چھوڑ دلّی آنے تک کو راضی نہیں تھے۔ سمجھائے، بجھائے ملنے کا من بنایا۔ لاڈلی بیٹی سے کہنے بھر کو کہا نہیں گیا کہ بھیاّ کے گھر جگہ نہیں تو نہ سہی، اپنے بابو جی کو وہ اپنے پاس رکھے گی۔ اُن کی خدمت کو اپنی خوش قسمتی سمجھے گی۔ بابو جی نے کون فرق رکھا اُسے پالنے میں!

پھر چلیا کی موٹھ پکڑ لی بابو جسونت سنگھ نے ......

پھر، پھر وہی باتیں؟ روز بروز! جبکہ سمجھ رہے ہیں گھُمڑن کا گھن کسی کا کچھ نہیں بگاڑے گا ــــــ صرف اُنہیں چاٹ کر چھوڑ دے گا۔

اچانک بستر سے اُٹھ گئے بابو جسونت سنگھ۔ سوچتے ہوئے کہ کچھ دیر کے لئے وہ اس چھت کے نیچے سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ بے مقصد بھٹکاؤ اُنہیں اکثر دور بھگاتی ہے۔ پاؤں میں چپلیں پھنسا گھر سے باہر ہو گئے۔

بھوسینا کی تیز آواز پیٹھ سے ٹکرائی۔ اس آواز سے ان کا خاصہ تعارف ہے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ دروازہ کھول آواز اُن کو خوش نہیں کرے گی کہ عین بچوں کے گھر لوٹنے کے وقت وہ کہاں کس طرف نکل کر چل دیئے؟

بابو جسونت سنگھ نے خود کو چلا گاؤں کی طرف بڑھتے پایا۔ دائیں طرف پٹرول پمپ پر پٹرول بھروانے کی قطار میں تین چار گاڑیاں ہی کھڑی نظر آئی اُنہیں۔ دوسرے پٹرول پمپ پر سی این جی گیس بھروانے کے لئے سہ پہیوں کی لمبی لائین نظر آئی۔ بائیں طرف سے اُٹھ رہی بدبو نے کچرا گھر کی طرف دھیان مبذول کیا۔ کُرتے کی جیب سے رومال نکال اُنہوں نے ناک ڈھک لی۔ گائیوں کا جُھنڈ بکھرے کچرے میں چراگاہ ڈھونڈ رہا۔

'ریورسائیڈ ویو' کے بورڈ کے نزدیک پہنچتے ہی ہوا کی تازگی نے بدبو کو نتھنوں سے معذول کیا۔ اُنہیں اس بات سے خوشی ہوئی کہ یہ بدبو ویسی بدبو نہیں تھی جیسی بدبو نے بہت دنوں تک اُن کے نتھنوں کو کسی اور بد یا بدبو کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ رومال جیب میں سمٹ گیا۔ بابو جسونت سنگھ اب شِکھر اپارٹمنٹس کے سامنے سے نوتعمیر اور تقریباً خالی پڑے ہوئے 'آشیانہ' کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تبھی سڑک کی دوسری طرف آئی ہوئی اسکول بس نے منتظر بھیڑ کو کھلبلا سا دیا۔ ملئے اور نِلئے ہوسکتا ہے، گھر آ چکے ہوں۔ اُن کی بسیں بھی شاید اِدھر سے ہی گھوم کر نکلتی ہیں۔ دِکھی نہیں اُنہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن سے راستے میں ٹکرائے۔ راموتی ...... نہ، پھر وہی بھول۔ کاتیائنی، کُمدنی بھی اِسی وقت اپنے پرائمری اسکول سے لوٹی ہوں گی۔ کیا وہ بھی اپنے گیٹ پر بس سے اُترتی ہوں گی۔

بابو جسونت سنگھ یکا یک بے دل سے ہو گئے۔ ننھی کا تیا ئی کُمد نی کو تو شاید رکشے کی سواری بھی نصیب نہ ہوتی ہو، جیسا کی اندازہ ہے اُنہیں، پرائمری اسکول بہت نزدیک نہیں۔ کام سے فارغ ہوتے ہی سنگنیاں چھوٹے کو 'کِنیا' میں لا دھر بڑائی سی بھاگتی ہو گی اُنہیں لینے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کام سے فرصت نہ ملنے کی وجہ سے کہہ رکھا ہو اُس نے بچیوں سے کہ 'سریر کے' ایک دوجے کا ہاتھ پکڑے گلی گلی ہوتے ہوئے خود ہی گھر پہنچ جایا کریں! حالت یہ ہی تو بہت خطرناک ہے۔ تنگ گلیوں میں دوڑتے رکشے، ماروتی کب کس سے ٹکرا لیں ــــــ کون جانے۔

رکشے والے کو انہوں نے پاکٹ 3 چلنے کا حکم دیا۔ رکشے پر بیٹھے ہوئے بابو جسونت سنگھ کو شدت کے باوجود ہوا کی ٹھنڈک نے جتایا کہ جھونک میں نکلتے ہوئے اُنہیں نہ گلے میں مفلر ڈالنے کا ہوش رہا، نہ اپنی برسوں پرانی اب تک کی گرم لال اعلی والی لوئی سے کندھے ڈھک لینے کی۔

پاکٹ 3 پہنچ کر بابو جسونت سنگھ نے مارکیٹ سے لگے ہوئے پوسٹ آفس کے سامنے رکشے رکوالیا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ رکشہ والا وہیں رُک کر واپس لوٹنے کا انتظار کرے۔ لوٹ کر اُنہیں گھر ہی جانا ہے۔ انتظار کرنے کے علاوہ پیسے وہ اُس کے کہنے مطابق دے دیں گے۔

پانچ سو روپے کا منی آرڈر بابو جسونت سنگھ سنگنیاں کے نام اپنے پتے پر ہی بھیجیں گے۔ ڈاکیہ اُسے پہچانتا ہے۔ اگر اُس پرانے ہری رام کا تبادلہ نہ ہوا ہو گا تو۔ ہری رام نہ بھی ہو گا تب بھی کوئی اڑچن نہ آنے والی۔ سنگنیاں کو اپنا نام لکھنا آتا ہے۔ خالی وقت بیٹھا کر نریندر کی اماں نے ہی سکھایا تھا اُسے۔

اُنہیں نہیں لگتا کہ بھول بھال گئی ہوگی۔ بھول گئی ہوگی تو انگوٹھا لگا کر منی آرڈر حاصل کرسکتی ہے۔ اڑچن بس ایک ہی ہے اور وہ ہے سنگنیاں کی خودداری کی۔ بابوجسونت سنگھ می آرڈر کے پیچھے چٹھی ضرور لکھ بھیجیں گے۔ منی آرڈر سنگنیاں کے لئے لئے نہیں ہے۔ کاتیائنی آسرے اور کمدنی آسرے پڑھائی لکھائی کے خرچ کے لئے ہے۔ اُن کی گزارش ہے کہ سنگنیاں اُن کے پرائمری اسکول آنے جانے کے لئے مہینے کے حساب سے رکشہ کردے۔ اُنہیں پیدل نہ آنے جانے دے۔ ٹریفک گلی محلوں میں کون سا کم ہے۔ پڑھائی میں کمزور ہوں تو کسی کو سو دو سو دے کر ٹیوشن رکھ دے۔

روپئے لوٹانے کی ہرگز نہ سوچیں۔ تکلیف ہوگی اُنہیں۔ اپنے بابوجی کو خوش نہیں دیکھنا چاہتی؟

آخری لائن لکھ کر مٹا دی بابوجسونت سنگھ نے! جانے کیا سوچ کر۔ جانے کیسا ہوڈا کیہ۔ ہری رام کی بات اور ہے۔

یہ بھی لکھ دیا ـــــ ہر مہینے وہ پانچ سو بندھا ہوا بھیجیں گے۔ تاکہ اُن کی پڑھائی لکھائی میں خلل پیدا نہ ہو۔

دروازہ ملئے نے کھولا۔ ناراض ہوا کہ دادو کھانے کے وقت کہاں نکل گئے تھے؟ ممی فکرمند ہو رہی تھیں کہ بتا کر بھی نہیں گئے۔

اُن کا کھانا میز پر صرف اُن کی خالی تھالی کی شکل میں موجود تھا۔ یعنی بچے نے کھالیا۔ اُنہیں دیکھ بہو سنینا نے سوال کیا کہ کیا وہ اُن کا کھانا پروس دے۔ کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی ـــــ کہہ نہیں پائے بابوجسونت سنگھ۔ صرف اتنا ہی بولے کہ اگر بھات بنا ہوا ہے تو وہ دال کے ساتھ دو چار نوالہ

کھالیں گے۔

کھا کر آرام کرنے کی خواہش سے بستر پر سیدھے ہوئے ہی تھے کہ بہو سنینا نے اُن کے کمرے کا کھلا دروازہ بند کر کے ٹی وی چلا دیا۔ بند دروازے کے باوجود لوک سبھا میں 'پوٹا' کو لے کر چل رہا ہنگامہ کمرے میں داخل ہو ماحول کے سناٹے کو توڑنے لگا۔ ٹامی کی زنجیر کھلنے کی آواز بھی اُن تک پہنچی۔ پوٹا کی جوتم پیزار میں ٹامی کی دلچسپی ہو سکتی ہے ــــ اُنہیں یقین نہیں ہو رہا۔ بہو سنینا ویسے تو اُس کا خیال رکھتی ہے۔ رکھ رہی ہے۔ اچانک ایم ٹی وی کی جھائیں جھوم شروع ہو جاتی ہے۔ اڈورٹائزمنٹ کے دوران وہ ٹامی کے لئے ہی چینل بدل رہی ہے۔ دونوں بچے پڑوس میں گئے ہوئے ہیں ــــ دوست کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنے کے لئے۔

'بابو جی منہ کھولئے؟ تھرما میٹر لگانا ہے۔'

'کیوں؟' بہو سنینا کو سرہانے کھڑے پا بابو جسونت سنگھ تھوڑا تجسس سے بھر آئے۔

'بخار نہیں دیکھنا آپ کا؟'

بابو جسونت سنگھ کل سے باہر نکل آئے۔ فوراً منہ کھول دیا انہوں نے۔ منہ میں تھرما میٹر لگا کر بہو سنینا کمرے سے باہر ہو لی۔ 'فلو' ہے اُنہیں۔ تیمارداری جبرن سر آپڑی۔ پاس آنا مجبوری ہے۔ ڈاکٹر انوراگ چترویدی نے کہا ہے۔ شام کو بخار کا باقاعدہ چارٹ دیکھنا ہے اُنہیں۔

'کتنا ہے؟'

'خاصہ ہے بابو جی۔'

'پھر بھی..... اُن کی پلکیں تپی ہنڈیا ہو رہی ہیں۔

'ایک سو دو سے اوپر ہے۔'

بھوسینا نے مڑنے سے قبل پہلے بابو جسونت سنگھ سے پوچھا۔ دوپہر میں وہ کھانے میں کیا کھانا پسند کریں گے؟ دودھ میں دلیا بنا دی جائے؟

دل میں سوچا اُنہوں نے۔ بخار میں میٹھا دلیا کھا سکتا ہے کوئی؟ نمکین بنا لے مونگ کی دال کے ساتھ! مگر اُن کی خاموشی بھوسینا کی رضامندی کی مہر لگی۔ دوبارہ پوچھنے کی زحمت نہیں اُٹھائی اُس نے۔

آدھی رات کے قریب پیشاب کرنے کے لئے اُٹھتے ہی بابو جسونت سنگھ کو جسم میں اینٹھن سی محسوس ہوئی تھی۔ رکشے پر ہوا لگ گئی ہوگی۔ اندیشہ ہی تھا۔ صبح ناشتے پر ایک دو ڈسپرن لے لیں گے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ لیٹتے ہی سو بھی گئے تھے۔

صبح ٹامی کو فارغ کرانا اُن کے لئے مشکل ہو گیا۔ اُٹھ ہی نہیں پا رہے تھے بابو جسونت سنگھ۔

شام ڈاکٹر انوراگ سے جاننا چاہا تھا اُنہوں نے ____ بے چین ہو کر۔ کب تک اُن کا بخار اُتر جائے گا؟ ارادہ تھا کہ آج سیر کے لئے نکلنے سے پہلے وہ کرنل سوامی کا پتہ لے کر ہی نکلیں گے اور نوائیڈا کے چھبیس سیکٹر پہنچ کر اُن کا گھر ڈھونڈ نکالیں گے۔

'ٹھیک ہونے پر ہے انکل! کم از کم پانچ چھ روز لگ ہی جاتے ہیں۔ بہتر ہے، بیماری کے بارے میں آپ زیادہ نہ سوچیں۔'

تب تک بابو جسونت سنگھ بستر پر پڑے رہیں گے؟

دوا اثر کر رہی ہے۔ سر کا درد صبح کی بانسبت سہنے کے قابل ہو چلا ہے۔ نیند کا غلبہ طاری ہو رہا ہے بابو جسونت سنگھ پر۔

نتھنوں میں جانی پہچانی مہک داخل ہو رہی ہے...... بند ناک کھل گئی ہے اچانک بابو جسونت سنگھ کی۔ نزلی ڈراپس کی خوشبو ہے؟ نہیں کسی نے اُن کے سرہانے 'سفید چندرملیکا' کے پھولوں کا گلدستہ لا کر سجادیا ہے۔ بابو جسونت سنگھ لمبی لمبی سانسیں بھر رہے ہیں...... مہک سیڑھیاں اُتر رہی ہے۔ ایک ایک۔

'یہ آپ کا گلا کیوں بیٹھا ہوا ہے؟' علی گڑھ سے شوانی تھی فون پر۔

'آج وہ صرف آپ کو سننا چاہتے ہیں فون پر!'

'اور اگر ہم کہیں کہ اتنی دور سے ہم نے آپ کو سننے کے لئے فون کیا ہے تو......'

'تو؟؟ یہی کہنا پڑے گا، کچھ اپنی طرف سے بولئے، کچھ ہماری طرف سے۔ بولنا آپ کو ہی پڑے گا۔'

'مذاق چھوڑیئے......'

'ٹانسلس پھولے ہوئے ہیں۔'

'ڈاکٹر کو دکھایا۔'

'دکھایا...... پانچ دن لگاتار ایلتھر وسین کھانی ہوگی۔'

'بخار کتنا ہے؟'

'ایک سو پانچ...... لگ رہا ہے اب اور بڑھ رہا ہے......'

'پھر مذاق! پاس کوئی ہے؟'

'ہے...... ابھی ابھی کوئی آیا ہے!'

'کون؟'

'تم!'

'اُف......'

'کان پور اطلاع دینا اور لوگوں کو بے وجہ پریشان کرنا ہوگا۔ نریندر اور شانی کی ششماہی امتحان سر پر ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔'

'آپ بول نہیں پا رہے اور......' آواز میں فکر تھی۔

'کپکپی آتی ہے۔ اُلٹا سیدھا جو بھی سمجھ پڑتا ہے۔ بنا بُنو رکھ جاتی ہے۔'

'صبح کتنے بجے آئے گی......'

'سات کے قریب۔'

'اِس وقت کتنا بج رہا ہے؟ گھڑی ہے سامنے؟'

'دیوار پر ہے ــــــ شام کے سوا سات ہو رہے۔'

'ہم صبح آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں...... رات بھی ہمیں جاگ کر ہی کاٹنی ہوگی۔'

'علی گڑھ یونیورسٹی کے اسٹوڈینٹس کا کیا ہوگا!'

'معلوم تھا اُنہیں، آپ بیمار پڑنے والے ہیں ــــــ سو ہڑتال پر چلے گئے ہیں۔'

رات بارہ بجے کے قریب آگرہ کے نیو شاہ گنج والے اُن کے گھر کی گھنٹی بجی۔ متحیر ہوئے۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ دفتر کے معاون شام چکّر لگا گئے ہیں۔ پڑوسی؟ تین مہینے لگ بھگ آئے ہوئے اُنہیں اور اُن کی

باہمیت ابھی جھجک سے نجات حاصل نہیں کر پائی ہے۔ پڑوسی نہیں ہو سکتے اتنی رات گئے۔ دروازہ کھولنے کے لئے اُٹھے بابو جسونت سنگھ تو سامنے اصل میں شوانی کو کھڑا پایا۔

شوانی رات بھر اُن کے ماتھے پر اپنی ہتھیلی ٹکائے بیٹھی رہی...... ہونٹوں کے لمس رہ رہ کر ماتھے کو چھوتی رہی۔

'کیتکی سے کیا کہیں گے صبح؟'

'کیا کہنا چاہیے!'

'سچ۔'

'کہہ دوں کیتکی سے کہ یہ میری دوست ہیں اور ہم انہیں......'

'کہہ دینا۔ ہم بہت باہمت ہیں......'

...... ہمت اچانک روایتوں کے گروی کیوں چڑھ گیا شوانی! کیوں تم گئو ہو اُٹھیں اور جہاں بھائی نے چاہا____ سات پھیرے ڈال دیے؟ اس لئے کی وہ ہمت نہیں دکھا پائے؟ مگر اُن کا ایسا کوئی دعویٰ بھی تو نہیں تھا خود کو لے کر......

پانچویں غیر موجودگی

سینٹک کی ٹنکی

بابو جسونت سنگھ کے کان بیدار ہو گئے ہیں۔ لگ یہی رہا کہ وہ بیدار ہوئے ہی نہیں۔ سوتے ہوئے جسم کا کوئی نہ کوئی حصہ جاگا ہوا ہوتا ہے یا اچانک جاگ جاتا ہے اور پوری رات جاگا رہتا ہے۔ نیند کھلتے ہی وہ جگاتا ہے کہ اُنہیں پیشاب لگا ہوا ہے۔ اُٹھ جائیں ورنہ بستر گیلا ہو سکتا ہے۔ کبھی حلق میں پھنسا کانٹا بلغم میں کچھ کچھ پیدا کر وہ اُن کا سونا محال کر دے گا۔ کبھی ٹانگ یا ٹانگیں اچانک آنکھیں کھول بیٹھی ہیں کہ وہ تقریباً سا کت پڑی ہوئی ہیں ـــــ کروٹ بدلنا بھی اُن کے لئے مشکل ہو گا۔

.....فون پر باہر والی گھنٹی بج رہی۔ بجے جا رہی۔ کس کا ہو سکتا ہے؟

بابو جسونت سنگھ کے کان بے چین ہو آئے۔ فون بہو سینا کے گھر سے بھی ہو سکتا ہے۔ شالو کا بھی ہو سکتا ہے۔ شالو کا ہو گا ـــــ اُنہیں خدشہ ہے۔ اُن کے لئے مشکل یہ ہے کہ کبھی کبھی ہی سہی، فون کھڑکانے کے مطلب سے وہ داماد جی کے دفتر جا کر نہیں بیٹھ سکتی۔ نہ داماد کے دفتر سے اُن کا باس اُن کی ضرورت کے مطابق غیر حاضر ہو سکتا ہے۔ وقت کیا ہو رہا ہو گا؟ آنکھیں کھول تپائی پر پڑی الارم گھڑی نہ دیکھ لیں۔ یقیناً ہی وقت کا اندازہ اندر سر اُٹھا رہے اُن کے اندازے کو پختہ کرے گا۔ باتیں شروع ہو گئی ہیں شاید، شاید نہیں، سچ مچ شروع ہو گئی ہیں۔ بہو سینا عام طور پر اتنی دھیمی آواز میں نہیں بولتی۔ اُنہوں نے نہیں سنا۔ فون پر کیا بول رہی ہے ـــــ نہیں سمجھ

پا رہے۔ گھڑی میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ تب رہی آنکھیں کھولتے ہی ـــــ جو پوری طرح سے کھل نہیں پا رہیں ـــــ جگنو ڈولنے لگتے ہیں۔ اُنہیں تعجب ہوا، جگنوؤں سے اُن کی کبھی میل ملاقات نہیں رہی۔ بچپن میں ہمجولی مٹھیوں کے ساتھ کچھ انہوں نے بھی مٹھیوں میں قید کیا ـــــ پھر فوراً چھوڑ دیئے۔ اُنہوں نے اپنے سے دور جاتے ہوئے بھی دیکھا۔ پھر وہ کیسے اُن کی آنکھوں میں ڈیرا ڈالے بیٹھے ہوئے ہیں؟

بہو سنینا کے سنائی نہ پڑنے والے جملے سے کچھ لفظ اُن کی طرف سنائی پڑ رہے ـــــ سنٹیکس کی ٹنکی، چوری، پچھواڑہ، پولیس۔

معنی؟ کون ہے فون پر۔

کچھ دیر پہلے سیتا بائی اُن کے کمرے میں پوچھا لگانے آئی تھیں۔

پوچھے کی بالٹی کے سرکانے کی تیز آواز نشانہ سادھ پھینکے گئے کنکر سی کنپٹیوں میں چبھی تھی۔ سو رہے تھے ورنہ رضائی سے منہ نکال اُسے ڈپٹنے سے نہ چوکتے۔ رہنے دے میرے کے کمرے کی صفائی! دیکھ نہیں رہے، بیمار ہیں، شور برداشت نہیں کر سکتے۔

سیتا بائی گیارہ کے آس پاس آتی ہے جھاڑو پونچھے کے لئے۔ بارہ بج رہا ہوگا۔ سنگنیا ٹھیک اِسی وقت رام کھلاون یادو کے گھر خدمت کی خاطر پہنچتی ہے......

شام کو بابو جسونت سنگھ جگے ہوئے تھے جب بہو سنینا اُنہیں سوتا ہوا سمجھ کر دفتر سے لوٹے ہوئے نریندر کو اطلاع دے رہی تھی کہ سنگنیاں کا کان پور سے فون آیا تھا دن میں۔ بابو جی سے بات کرنے کے لئے بڑی منت

کر رہی تھی کہ بابو جی سے بہو جی اُس کی ایک منٹ کے لئے بات کروا دیں۔ضروری بات کرنی ہے اُسے۔ بتانے پر کہ بابو جی فون پر آنا ممکن نہیں ـــــ بخار میں پڑے ہوئے ہیں وہ ـــــ بتانے لگی کہ غضب ہو گیا ہے۔ پانی کی بڑی ٹنکی لگوا کر بابو جی نے جو سنٹکس کی چھوٹی ٹنکی اُتر وا کر پچھواڑے رکھوائی تھی ـــــ کل رات چوری چلی گئی۔صبح پولیس چوکی جا کر اُس نے چوری کی رپٹ لکھوا دی ہے۔ پولیس کے پاس نیتا جی کا فون پہنچ گیا ہے۔ پولیس نے دلاسا دلایا ہے۔فکر کی کوئی بات نہیں۔ کچھ ہی دنوں میں ٹنکی برآمد ہو جائے گی۔دقت ایک ہی ہے۔شہر کے تمام گھروں میں ویسی ہی سنٹیکس کی ٹنکیاں لگی ہوئی ہیں۔ چرانے والے نے راتوں رات اپنے گھر میں لگوالی ہوگی تو ٹنکی کو ڈھونڈ پانا مشکل ہوگا۔

سنگنیاں شرمندگی محسوس کر رہی ہے۔ کہہ رہی تھی ـــــ بابو جی کو کون سا منہ دکھائے گی ـــــ ذرا سی کھٹ کھٹ ہوتے ہی اُس کی نیند اُچٹتی ہے۔ کل رات جانے کیا ہوا کہ کان میں ڈھکن پڑے رہے۔بہو سنینا نے فوراً اپنی رائے ظاہر کی۔ چالاک چست سنگنیاں کی باتوں سے اُسے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اپنی کرتوت پر پردہ ڈالنے کو کہانی بنا رہی۔کون جھانکنے گیا ہوگا کہ کل سے پہلے ٹنکی اپنی جگہ پر تھی یا نہیں ......

'گھر لٹوا کر کمینیکسی روز یہی کہانی دہرا دے گی ...... جانے بابو جی گھر بیچ باچ کر چھٹی کیوں نہیں کرتے!'

بابو جسونت سنگھ کو لگا۔وہ وہیں سے چلا کر بہو سنینا کو خبردار کریں کہ وہ ایک معمولی سی ٹنکی کے لئے سنگنیاں کو ...... سنگیاں کو ...... سن ...... اُن کا سر گھوم رہا

ہے یا زمین ڈول رہی ہے۔ اپنا سر پکڑنے کے لئے وہ اپنے دونوں ہاتھ نہیں ٹٹول پا رہے...... اُن کے ہاتھ کہاں چلے گئے۔

ہوش

صبح بچوں کو اسکول روانہ کر بہو سینا بابو جسونت سنگھ کا بخار ناپنے آئی تو اُس وقت وہ اُسے ایک دم ہوش میں لگے۔ ہوش میں ہی اُٹھ کر اُس نے اُنہیں پاخانے جاتے دیکھا تھا اور 'کُلا' وغیرہ کرتے ہوئے بھی۔ اُنہوں نے ہمیشہ کی طرح اُس سے پوچھا تھا ـــــ بخار کتنا ہے؟ اُس کے بتانے پر کہ 103 سے کچھ اوپر خود بولے تھے ـــــ دواہی کتنی لی ہے۔ ایک آدھ روز اور گزرنے پر ہی کوئی فرق نظر آئے گا۔

دوسرا سوال اُنہوں نے یہ کیا کہ اُن کے لئے کل نوئیڈا سے اُن کے دوست کرنل سوامی کا کوئی فون تو نہیں آیا؟ اُس کے انکار پر کہ اُس کی ایسے کسی شخص سے فون پر بات نہیں ہوئی ـــــ نریندر سے وہ اور پوچھ لیتی ہے۔ رات کافی فون آئے تھے۔ اُن کے لئے کوئی ہوتا تو نریندر اُس سے ذکر ضرور کرتے۔ سنگھنیاں کا فون یقیناً آیا تھا۔ وہ آرام کر رہے تھے۔ جگانا اُس نے مناسب نہیں سمجھا۔ کوئی اتنی ضروری بات بھی نہیں تھی۔ اُن کی خیر و عافیت جاننے تک کو بے چین تھی۔

اِس کے بعد انہوں نے اُس سے کوئی دوسرا سوال نہیں کیا تھا۔ اُن کے چہرے کے تاثرات سے یہ بھی نہیں اندازہ ہوا کہ وہ اُس سے کچھ اور جاننے کو بے چین ہیں۔ ٹنکی کی چوری کی اطلاع اُنہیں پریشان کرسکتی تھی۔ آج ٹنکی گئی ہے، کل اور کچھ بھی جا سکتا ہے ـــــ سوچ کر بتانا اُس نے مناسب

نہیں سمجھا۔ دبی زبان میں اُس نے سنگنیاں کو خبر دار ضرور کیا تھا۔ مفت میں رہنے کی جگہ ملی ہوئی۔ یہی دیکھ بھال ہو رہی ہے؟

صبح وہ بالکل ہوش میں تھے اور تکلیف کے باوجود بہتر دکھائی دیئے تھے۔ تھرمامیٹر جھٹکتے ہوئے اُس نے مڑتے ہی اُنہوں نے کمزور آواز میں اُسے ٹھہرنے کے لئے کہا تھا اور تکیئے کے نیچے سے اُسے پانچ پانچ سو کے دس نوٹ نکال کر پکڑا ئے تھے کہ اُن کی دوا دارو کا خرچ اُن پر ایک دم سے آپڑا ہے۔ رکھ لے۔ کام آئیں گے۔ اُن کے پاس بھی تو پڑے ہی ہوئے ہیں۔ اُس نے اُس وقت اُوپر کے من سے نہیں، بلکہ فطری طور پر جھجھک ظاہر کرتے ہوئے روپئے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ خرچ کا کیا ہے ـــــ چل رہا ہے۔ آگے بھی چلتا رہے گا ـــــ مگر وہ نہیں مانے تھے۔

بخار ناپنے سے پہلے اُنہوں نے اُس سے ناشتے میں تین چار مُنا کو بسکٹ کھلانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بسکٹ اُس نے طشتری میں لا کر رکھ دیئے تھے۔ بسکٹ کھانے کے بعد دوا دی جانی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ دوا دینے اُن کے قریب پہنچی تو اُس کے تھرمس سے گلاس میں پانی اُنڈیلتے ہی اُنہوں نے اُس سے عجیب سا سوال کیا۔

'تم نرس ہو'

مذاق کا اُن سے کبھی کوئی رشتہ نہیں بنا۔ اُن کی بات اُسے عجیب لگی۔

'میں سنینا ہوں بابو جی۔ آپ کی بہو'

'بہو!' اُنہوں نے غیر یقینی طور پر پلکیں پٹپٹائیں۔ جیسے آنکھوں سے دکھائی ٹھیک سے نہ دے رہا ہو۔

'کب آئی کان پور سے؟ پانی کی ٹنکی کیوں بیچ دی تم نے۔'

وہ گھبرا گئی۔ دوائیاں انجری میں ہی دبائے ہوئے اپنے بیڈروم کی طرف بھاگی۔نریندر کو بتایا۔

'بابوجی عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ دماغ چل گیا لگتا ہے۔اُن کا۔اُسے پہچان نہیں رہے۔اناپ شناپ بک رہے۔'

'دوا کھلائی۔؟'نریندر نے پوچھا تو اُس نے ہاتھ کھڑے کر دیئے اُس کے بس کا نہیں۔ یہ رہیں دوائیاں۔وہی چل کر کھلائیں۔اُسے ڈر لگ رہا۔وہ اب اُن کے کمرے میں بھی نہیں جائے گی۔

نریندر نے فوراً ڈاکٹر انوراگ چترویدی کو فون کیا۔

ڈاکٹر انوراگ نے اُن سے آتے ہی پوچھا، انکل،آپ اپنا نام بتائیں گے؟'

کمزور آواز میں اُنہوں نے جواب دیا، 'میرا نام......تم بتاؤ میرا نام کیا ہے!ہاں یاد آیا۔۔۔۔۔۔ہری ہر تو نہیں ہے؟'

'ہری ہر کوئی ہیں؟'ڈاکٹر انوراگ نے نریندر سے پوچھا۔

'بابوجی کے گہرے دوست تھے۔'

'تھے؟'

'اب نہیں ہیں۔عرصہ پہلے اُن کی موت ہو گئی۔'

دونوں بیٹھک میں آ گئے۔ڈاکٹر انوراگ نے مشورہ دیا۔انکل کو گھر پر رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔اُنہیں فوراً نوئیڈا کیلاش اسپتال بھرتی کروانا مناسب ہوگا۔ایمبولینس منگوائے لے رہے ہیں۔وہ نریندر کے ساتھ چل چلیں

گے۔انکل کے کچھ دن وہاں رہ لینے سے حرج نہیں۔ضروری چیک اَپ بھی آسانی سے ہو جائیں گے۔

اسٹریچر پر چڑھنے کو وہ تیار نہیں ہوئے۔نریندر نے منایا۔اُن کی طبیعت زیادہ بگڑی ہوئی ہے اس لئے اُنہیں اسپتال دکھانے کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔دکھا کر واپس لے آئیں گے۔دور نہیں جانا ہوگا، نوئیڈا میں ہی اسپتال ہے۔

نوئیڈا کے نام سے اُن کے مُرجھائے چہرے پر رونق کوندی جیسے اُنہیں اُن کی پسند کی جگہ لے جایا جا رہا ہو۔خاموش اسٹریچر پر سرک گئے۔

تیرھویں غیر موجودگی

پٹخنی

'فلو' نے بہت مہنگی دشمنی نبھائی۔ چھ دن کیلاش اسپتال میں کاٹنے کے بعد جب بابو جسونت سنگھ نریندر کے گھر لوٹے تو پاؤں کو چاٹتے، چھلانگیں بھرتے پگلائے سے ٹامی کے پیار نے اُن کے کھوئے صبر کو ڈھونڈ نکالا۔ اسپتال کو وہ اسپتال میں ہی چھوڑ کر لوٹنا چاہتے تھے۔ خوشی ہوئی کہ ٹامی نے اُن کے اِس کوشش میں اُنہیں تعاون دیا۔

کل شام ہمت بٹور کر کپڑوں سے لد پھد بابو جسونت سنگھ کچھ دیر کے لئے نیچے اُترے۔ کمزور جسم کی ہلی چولوں نے اُنہیں اُترتے ہی ڈرایا اور خبردار کیا کہ اب اُن کے دن بینت کے سہارے کے محتاج ہونے کو ہیں۔ مگر ہمت نہ چھوڑیں۔ ڈٹے رہیں۔ چاہے وہ کرتی اپارٹمنٹس سے لگے گارڈن میں پہنچ، جگہ جگہ پڑی بنچوں کا صحیح استعمال کرتے ہوئے سیر کو کچھ دیر اور دور تک ہی جاری رکھ پائیں ـــــ جام ہو آئے جوڑ تجربے سے ہی کھلیں گے ـــــ بستر پر سات دن کالے پانی کے ساتھ بسر کرتے گزر گئے۔

موت کو لے کر کرنل سوامی کا فلسفۂ ہوش' آتے ہی خوب یاد آیا بابو جسونت سنگھ کو۔

شاید 'فلو' ہی موت کی شکل ہو اور ہفتے بھر سے زیادہ وہ موت کے بھیانک روپ کو نہ جھیل پائیں اور چل بسیں۔ اِس دفعہ موت اُنہیں اپنی شکل سے پہچان کرا کر چھوڑ گئی۔ آگے دیکھی جائے گی، کون سا روپ لیتی ہے وہ۔

اُسے چننا اُن کے بس میں نہیں۔ ہو گا کچھ حوصلہ رکھنے والوں کے بس میں۔ چننے لیتے ہیں کنواں، باہری، سلفاس کی گولیاں، پنکھے کا ڈنڈا، اونچی عمارتوں کی چھلانگ، ندی، سمندر......

اُنہیں یہ بھی لگا کہ اوپر سے وہ چاہے جتنی منطق ظاہر کریں ـــــــ موت نے اُن کی اندرونی جذبات کو تاڑ لیا ہوگا اور شاید اُسی کی عزت کرتے ہوئے اُس نے اُنہیں ایک اور موقع جینے کا عنایت کیا ہے، کرنل سوامی سے بغیر ملے چلے جاتے تو اُنہیں شکایت ہی رہ جاتی۔

آج کی صبح اُن کی پہل کی صبح ہے......

اُٹھتے ہی اُنہوں نے ارادہ کیا کہ آج نہ وہ کرنل سوامی کے گھر فون لگائیں گے وقت برباد کرنے کے لئے، نہ میورو ہار کی پُلیا پر پہنچ اُن کا راستہ دیکھتے ہوئے غلط تصورات کے بھنور میں غوطہ زن ہوں گے۔ کل شام کی سیر نے اُنہیں نئی تازگی دی ہے۔ جسمانی کمزوری کم نہیں مگر وہ کمزوری کو اپنے اوپر سواری کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ سیدھا اُن کے گھر پر دھابا بولیں گے۔ پھر پیدل تھوڑے ہی چلنا ہے اُنہیں!

اُنہوں نے طے کیا کہ وہ نوئیڈا کے لئے تھری وہیلر کرلیں گے۔ تھری وہیلر والے سے پہلے ہی طے کرلیں گے کہ وہاں اُنہیں ایک ڈیڑھ گھنٹے رُکنا بھی پڑسکتا ہے۔ اُنہیں معلوم ہے کہ کرنل سوامی اُنہیں بغیر چائے ناشتے کے لوٹنے نہیں دیں گے۔ رشتے داری سے وہ اب تک نہ بھی لوٹ آئے ہوں ـــــ جس کی کہ امید کم ہے، تب بھی اُن کی فیملی اُنہیں بیٹھائے بغیر نہیں ماننے کی۔ اُن کی بھی خواہش کم نہیں اُن لوگوں سے ملنے کی۔ بلکہ ایک

ایک کا نام لے کر اور اُن کی خصوصیت کا ذکر کر اُنہیں چونکا دیں گے۔ ہوسکتا ہے، ایک آدھ کو پہچاننے میں غلطی کریں، ایسے میں اُن کا تعارف بے تکلف ہو اُنہی سے پوچھ لیں گے۔ کتنی بار طے ہوا کرنل سوامی سے کہ آئندہ اتوار اُن کے گھر کا پروگرام پکّا۔ اپنی بہو سے کہہ کر آئے کہ دوپہر کا کھانا وہ گھر پر نہ کر دوست کے یہاں کریں گے۔ یہ تو اُن کی طرف سے ہے۔ ہوسکتا ہے اُن کی بہوئیں اُنہیں رات کا کھانا کھلائے بغیر واپس ہی نہ لوٹنے دیں؟ اپوّ کے دوست کون روز روز آتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کے گھر فون کر کے اطلاع دے دی جائے گی۔ واپسی کی فکر وہ بالکل نہ کریں۔ شری نارائین اُنہیں جونگا سے گھر چھوڑ آئے گا۔

اچانک کوئی نہ کوئی اڑچن پیدا ہو جاتی اور اُن کا بنا بنایا پروگرام منسوخ ہو جاتا۔

اچانک پتہ چلتا کہ ٹھیک اُسی دن اُن کی منجھلی بہو انوشری کو کھجوراہو نرتیہ مہوتسوؤ میں شامل ہونے کے لئے مدھیہ پردیش جانا ہے۔ اُس کی اُڑان ڈھائی بجے دوپہر کی ہے۔ اُس کی دو ضد ہے۔ پہلی اُپوّا اُسے چھوڑنے ایرپورٹ چلیں گے۔ دوسری ــــــ اُن کے پیارے پیارے دوست سے وہ بھی ملنا چاہتی ہے۔ اگر اُن کے دوست اُس کے پیچھے گھر آئیں گے، تو اُس سے اُن کی ملاقات کیسے ہوگی؟ اچھا ہوگا کہ اپوّا اُس کے کھجوراہو نرتیہ مہوتسو سے لوٹ آنے پر ہی اپنے دوست کو گھر کھانے کے لئے دعوت دیں۔ انوشری اُن کی دُگلی گڈوؤ کی ماں ہے۔ اُس کی بات ٹالنا کرنل سوامی کے بس کا نہیں۔ کوئی نہیں۔ اگلے ہفتے پروگرام بن جائے گا۔ گھر میں سبھی

اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔

بابو جسونت سنگھ کو انہوں نے بڑھتے جوش سے انوشری کے بارے میں بتایا۔ انوشری 'بھرت ناٹیم' کی کامل فن رقاصہ ہے۔ 'کھجوراہو رتیہ مہوتسو' میں مدعو ہو کر وہ خود کو لائق ستائش محسوس کر رہی۔ اُس کی برسوں کی تپسیا پوری ہوئی ہے۔ اُس کے استاد ایس این پلئے کی لگاتار کوشش رہی کہ انوشری عظیم الشان کھجوراہو تقریب میں رقص مظاہرہ کا موقع پا سکے۔ آرٹ کے پجاریوں کی کوئی عزت نہیں۔ بھاڑ اور نٹنیاں قومی مان وعزت لوٹ رہے! یہ تو سچ ہے کہ اُن کی فیملی کے لئے یہ سنہرا موقع کسی دسہرہ دیوالی سے کم نہیں۔

گلی گڈو بے صبری سے اتوار کے آنے کا انتظار کر رہیں۔ ضد کئے بیٹھی ہوئی ہیں کہ وہ بھی ماں کو چھوڑنے ایرپورٹ چلیں گی۔ کاتیائنی اپنے پچھلے جنم دن والی گلابی فراک پہن کر چلنا چاہتی ہے۔ کُمدنی جینس کے اوپر کالا کوٹ۔ کیوں جانا ہے؟ ماں کو ہوائی جہاز میں چڑھتے ہوئے دیکھنا ہے۔

کرنل سوامی نے اُنہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ اُنہیں ائیرپورٹ چلنا ہے ـــــ چلیں۔ مگر وہ ماں کو ہوائی جہاز پر چڑھتا ہوا نہیں دیکھ پائیں گی۔ دونوں نے جواباً توتلی دلیلوں سے اُنہیں مات دینے کی کوشش کی۔ اُپوا نہیں بدھو بنا رہے۔ فلموں میں دونوں نے دیکھا ہے ـــــ بالکنی میں کھڑے لوگ ہوائی جہاز میں چڑھ رہے اپنے رشتہ دار کو ٹاٹا کر رہے۔ اُنہوں نے اُن کی دلیل کاٹی۔ پرانی فلموں میں دیکھا ہوگا۔ کسی نئی فلم کا نام بتائیں؟ دونوں گلہریاں لاجواب ہو گئیں۔ اُن کے معصوم چہرے ہوا نکلے غبارے جیسے لٹک گئے۔

کرنل سوامی سے دونوں کی اُداسی نہ سہی گئی۔ کہنا پڑا۔ جی چھوٹا نہ کریں۔ اُن کا وعدہ ہے۔ آتی گرمی کی چھٹیوں میں وہ اُنہیں ماں سمیت ماموں کے گھر بنگلور ہوائی جہاز سے بھیجیں گے۔ اُن کی دُلاری گلی گڈو آسمان میں پریوں سی اڑیں گی۔

'شری نارائن نے اس معاملے میں...... ' کرنل سوامی کچھ کہتے ہوئے ٹھٹھکے تھے۔ جیسے کوئی رکاوٹ آڑے آ گئی ہو اور وہ شش و پنج میں پڑ گئے ہوں ـــــ بولیں یا نہ بولیں۔

اُنہوں نے نہیں کُریدا۔ کچھ دیر بعد وہ خود کشادہ نفس ہوئے تھے۔ آواز میں اندرونی درد کا بہاؤ واضح طور پر محسوس کیا بابو جسونت سنگھ نے۔

شری نارائن اس کے لئے ہرگز راضی نہ تھا کہ انوشری اپنے استاد پلئے جی کے ساتھ کھجوراہو رقص تقریب میں جائے۔ بڈھا 'خرانٹ' ہے۔ اُس کے ساتھ جانے کی ضرورت؟ گلوکارہ ساوتری اماں تام جھام کے ساتھ جائیں گی ہی۔ ایک اُستاد جی منیجر اٹرکانے کو منچ پر نہیں ہوں گے تو کیا منجیرا نہیں ٹنکے گا؟

استاد جی کا اتہاس کافی رومانی ہے۔ ان کی پہلی بیوی ان کی شاگردہ تھیں۔ دوسری، پہلی بیوی کی چھوٹی بہن ہے ـــــ وہ بھی اُن کی شاگردہ ہے۔ انوشری کی آرزومندیوں کو ہوا دینے اور اُس میں دلچسپی لینے کی عادت شری نارائن کو بالکل پسند نہیں۔ نتیجہ ـــــ دونوں میں آپس میں تناتنی۔

شری نارائن اپنے دل کی بات کو کھل کر ظاہر کرنے سے منہ چراتا ہے۔ اُنہیں لگا کہ اوپر سے وہ انوشری اور استاد پلئے کے تعلقات کے لئے لاتعلق

دکھاتا ہے ـــــ اندر کا سچ نہیں ہے۔ اندر سے وہ یہی چاہتا ہے کہ انوشری مادھوی بھابھی کی طرح آرٹ کو ’تلانجلی‘ (فاتحہ) دے کر اپنی گرہستی کے لئے سوچنا شروع کرے۔ اعتقاد ہو۔ کھجوراہو رقص تقریب کو لے کر اُن کے درمیان ہفتے بھر تک تناؤ کی حالت ہی رہی۔ انوشری نے فیصلہ کن موڑ لیا۔ زندگی میں آئے موقع کو وہ کھو کھلے جذبہ کے قربان نہیں ہونے دے گی۔ کھجوراہو رقص تقریب کی بین الاقوامی شہرت ہے۔ اُسے کوئی روک سکتا ہے تو صرف اُس کے اپّو پن! اپّو کہہ دیں گے کہ اب اُسے پاؤں میں گھنگھرو نہیں باندھنے ہیں ـــــ تو اُسی لمحہ وہ فیصلہ کر لے گی اور رقص کو بھول جائے گی۔ بھلانے کی کوشش کرے گی۔

معاملے نے نازک موڑ لے لیا۔ کرنل سوامی کو لگا کہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل اُنہیں اپنے بیٹے سے بات کرنی ہوگی۔ ٹٹولنا ہوگا اُس کا دل۔ چاہتا کیا ہے وہ۔

رات ڈیڑھ گھنٹے باپ بیٹے سڑکوں پر ٹہلتے بھٹکتے رہے اور بات چیت کرتے رہے۔ شری نارائن نے اپنی باتیں واضح کیں۔ انوشری کا استاد پلّئے کے اشاروں پر ناچنا اُسے تکلیف پہنچاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی بھی فیصلہ سے پہلے اُس سے کوئی صلاح ومشورہ نہیں کرتی۔ استاد پلّئے کا حکم اُس کے لئے سب سے اعلیٰ ہے۔ استاد کی نظر میں اُن کی گھر گرہستی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اُنہیں انوشری کا پورا وقت صرف رقص کی ریاضت کے لئے چاہئے۔ کاتیائنی اور کُمدنی کا بھی رقص کے آگے جھکاؤ ہے۔ اپّو نہیں جانتے، وہ بتانا بھی نہیں چاہتا تھا کہ کاتیائنی اور کُمدنی کا حمل ٹھہرنے پر

استاد پلّئے نے انوشری کو اسقاط حمل کے لئے کتنا مجبور کیا تھا، لعنت تھی۔ ماں بننا ہی اُس کی زندگی کا مقصد ہے تو دو چار اور پیدا کر کے بیٹھ جائے گھر۔ پالے بچے۔ ملک کی مشہور رقاصہ بننے کا سپنا چھوڑ دے۔ اُس مقام پر پہنچ کر بھی تو بچے پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ جلدی کیا ہے؟ کون عمر بیتی جا رہی ہے اُس کی۔ بچیوں کو انوشری نے جنم دیا تو صرف اُس کی چیتاونی کے ڈر سے۔ اُس نے صاف کہہ دیا تھا۔ جس دن وہ حمل اسقاط کرانے جائے گی، گھر لوٹ کر کمرے میں اُس کی لاش لٹکی پائے گی۔

سمجھایا اپنے بیٹے کو۔ بیوی کو سمجھنے سے پہلے خود اپنے کو سمجھنا ضروری ہے۔ اپنے کو سمجھ کر ہی کسی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ انوشری کی لگن ہی ہے جو اُسے استاد کے حکم کو عزت بخشنے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ رہی بات کاتیائنی اور کمدنی کی تو یہ اُس کی جلن ہے جو ماں کے نقشِ قدم میں اپنے بچوں کے لئے بے رخی کا جذبہ تلاش کر لیتی ہے۔ اُنہیں کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا۔ بچیاں اُس کی جان ہیں۔ پھر گھر میں سبھی ہیں اُن کی دیکھ بھال کے لئے۔ فیملی کے معنی یہی ہیں۔ فیملی کی ہی طاقت ہے کہ وہ مطلب اور بے مطلب کی مارجھیل چہرے پر شکن نہیں پیدا ہونے دیتا۔ اُنہیں لگتا ہے، کاتیائنی اور کمدنی چھوٹی ہیں تو کیا ہوا ___ اُنہیں بھی اِس بات کا احساس ہونا چاہئے، کروایا جانا چاہئے کہ اُن کی ماں کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ ملک کی معزز فنکار ہے۔ رہی توازن کی بات تو اُنہیں شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ اُس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ہی ضرورت نہیں ___ آپسی بدل کی بھی ضرورت ہے۔ توازن یکطرفہ سوچ سے پیدا نہیں ہوتا۔

گھر کے سبھی لوگوں کو بلانا پڑا۔ سبھی بیٹھے۔ کاتیائی اور کُمدنی کو بھی بیٹھالیا اُنہوں نے۔

انوشری سے اُنہوں نے ایک ہی بات کہی ـــــ پانچ منٹ آنکھیں بند کر، یکسو، ہو وہ اپنے اندر اُترے۔ جھانکے۔ اندر کی آواز سنے۔ اندر کیا کہتا ہے۔ اندر وہی کہتا ہے جو صحیح ہوتا ہے۔ سچ ہوتا ہے۔ جھوٹ نہیں۔ دباؤ سے دور۔

سب کی آنکھیں انوشری پر ٹک گئیں۔

پانچ منٹ سے اوپر ہو گئے۔ اُنہوں نے اُسے آنکھیں کھولنے کے لئے پکارا۔

اچانک انوشری پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ سبھی سکتے میں آ گئے۔

'رقص کے بغیر ہم نہیں جی سکتے اپّو......'

بے چین شری نارائن نے احتجاج میں منہ کھولنا چاہا۔ اُنہوں نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے بولنے سے منع کر دیا۔

انوشری نے سچ کہنے کا حوصلہ پیدا کیا ـــــ مادھوی جسے کبھی نہیں کہہ سکی۔ ہمیں سچ کی عزت کرنا سیکھنا ہوگا۔'

صبح سیر پر نکلنے سے قبل شری نارائن نے آ کر اُن کے پاؤں چھوئے۔ پیچھے انوشری بھی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی جھک گئی پاؤں پر، اپّو پن! ہمیں آپ کا آشیرواد چاہئے۔'

شری نارائن نے خوشخبری دی۔ اتوار کی صبح اُن کے سیر سے لوٹتے ہی گھر میں پوجا ہوگی۔ انوشری کی کامیابی کی دعاء کے لئے۔

بابو جسونت سنگھ نے کرنل سوامی کو آڑے ہاتھوں لیا۔ مادھوی کی چرچا وہ اکثر اُن سے کرتے رہے ہیں ___ انوشری کی فنکارانہ رقص کا ذکر کبھی نہیں کیا۔ کیوں؟

کرنل سوامی نے ہمیشہ کی طرح جانا پہچانا ٹھہاکہ لگایا ___ 'کیسے کرتے دوست! بیٹے کے لئے ہی نہیں، اُس کے باپ کے لئے بھی وہ گلی گڈو کی ماں ہی بنی رہی۔'

اچانک تھری وہیلر کی داہنی طرف ٹنگا ہوا پردہ کھل گیا اور تیز ہوا میں پھڑ پھڑاتا بابو جسونت سنگھ کے چہرے کو چھو گیا۔ اُنہیں پردہ باندھنے کی کوئی ڈوری نظر نہیں آئی۔ تھری وہیلر والے نے پوچھنے پر جواب دیا، ڈوری ہے بھی نہیں۔ اُنہیں داہنی طرف سرک کر پردے کو اپنی ٹانگ سے دبائے رکھنا ہوگا۔ بابو جسونت سنگھ کو لگا کہ پردے کو ٹانگ سے دبائے رکھنا ہی مناسب ہے۔ بلکہ پردہ اُنہیں بیٹھتے ہی کھلوا لینا چاہئے تھا۔ ہوا میں ٹھنڈک اتنی نہیں ہے، لیکن اُنہیں کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی۔ خیال آیا تھا۔ بیماری سے اُٹھے ہیں، منکی کیپ پہن کر نکلیں۔ مگر اپنا ہی خیال مذاق لگا۔ پہلی دفع کرنل سوامی کے گھر جا رہے ہیں، بہوئیں اُن کی شکل دیکھ ہنس نہ پڑیں۔ یہ نہ سمجھ لیں کہ گھر کوئی چوکیدار آیا ہے۔

'بھئی، ٹھنڈ کے ڈر سے چھپ کے گھر میں بیٹھنا ہمارے لئے مشکل ہے مسٹر سنگھ۔ صبح کی سیر جنت کی سیر ٹھہری۔ ہاف پینٹ کی جیب میں برانڈی کا پوّا دبا رہتا ہے، ٹھنڈ میں چھیڑ کھانی کی نہیں کہ پوّے سے گھونٹ بھرا نہیں، معاملہ فٹ۔'

مسکان تھرک گئی بابو جسونت سنگھ کے ہونٹوں پر۔ غضب کا 'کھلنڈرا' مزاج ہے کرنل سوامی کا۔ بلکہ کھلنڈرا لفظ اُن کی ذی روح ہونے کے لئے کم ہے۔ الفاظ کی آنکھ مچولی اُنہیں چھکاتی ہے۔ موقع پر ہاتھ نہیں لگتے۔ شوانی کے سامنے ہوتے تب بھی وہی ہوتا۔ بعد میں نظم پھوٹتا تو اُنہیں لگتا کہ اُس کی بیل کو جڑ سمیت اُکھاڑ باہر پھینک دیں۔

ناگ ارجن سوسائٹی پار کرتے ہی تھری وہیلر والے کو اُنہوں نے آواز لگا کہا کہ کسی اچھی سی مٹھائی کی دکان پر وہ ذرا گاڑی روک لے۔

خالی ہاتھ بھرے پورے فیملی میں جانا مناسب نہیں۔ گلی گڈو کے لئے انہیں ڈائمنڈ شیپ والی کاجو کی برفی لے لینی چاہئے۔ کرنل سوامی نے اُن کی پسند کی مٹھائی کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ کاجو کی برفی نہیں مانگیں۔ ڈائمنڈ شیپ والی برفی کھانے کی خواہش ظاہر کرتی ہیں اور کیا پسند ہے اُنہیں؟ یاد کرنے کی کوشش کی اُنہیں نے۔ دادو نمبر دو ہیں وہ اُن کے۔ کرنل سوامی نے اُن کے سامنے بابو جسونت سنگھ کا بہت بڑا خاکہ کھینچا ہوا ہے۔ لائک ژراف! گلی گڈو اٹکل لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ بٹن سی آنکھیں ٹپٹپاتی۔

گول چکر پار کرتے ہوئے نیرولاج کی طرف بڑھے تو اچانک دھیان گیا۔ گلی گڈو کو نیرولاج کی آئس کریم اور چاکلیٹ کیک بہت پسند ہیں۔ جس رات وہ دونوں نیرولاج کے بار میں بیٹھے تھے، واپسی میں کرنل سوامی نے اُن کے لئے خاص طور سے پیک کروایا تھا۔ اُنہیں لگا، اُنہیں بھی چاکلیٹ کیک اور آئس کریم گلی گڈو کے لئے پیک کروا لینی چاہئے۔ آگے

مٹھائی کی دکان نظر آئے گی تو مٹھائی بھی لے لیں گے۔

کرنل سوامی کا گھر ڈھونڈنے میں آئس کریم پگھل نہیں جائے گی؟

خاصی سردی ہے۔ گرمی کے دن ہوتے تو شبہ غلط نہیں تھا۔

کیک خاصہ بڑا لے لیا۔ لگ بھگ دو کلو کا۔ بہانہ بچوں کا ہوتا ہے اور کھاتا ہے سارا گھر۔

کرنل سوامی ہوتے تو نشچے ہی 'بار' میں کھینچ لے جاتے ـــــ اڈا مارا جائے کچھ دیر۔

آنکھیں گڑائے رہنے کے باوجود بابو جسونت سنگھ کو مٹھائی کی دکان نظر نہیں آئی تو اُداس ہوئے۔

'کون سے سیکٹر آپ نے جانا بابو جی؟' بغیر مُڑے تھری وہیلر والے اُن سے پوچھا۔

'چھبیس!' گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے بتا چکے تھے ڈرائیور کو۔

'یہ پرلی طرف کو رہا چھبیس باؤجی۔ بلاک کون سے جانا ہے؟'

'ای' گول کھمبوں پر ٹکی بالکنیوں والے فلیٹوں نے متوجہ کیا۔ گیٹ میں داخل ہوتے ہی سبزہ ہی سبزہ نظر آیا۔ دل میں بہار جو بن لہرا اٹھی۔

بے صبری چھپا نہیں پائے۔

'ای بلاک کہاں ہے ـــــ گاڑی روک کر کسی سے پوچھ لے بھئی۔ بھٹکنے میں فضول وقت ضائع ہوگا۔'

سامنے سے ایک عورت چلی آرہی تھی۔ تھری وہیلر والے کے پوچھنے پر ناراض ہوتی۔ یہ 'جی' بلاک ہے۔ اُلٹا آگئے۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہی

داہنی طرف کو جو پہلی گلی گئی ہے، اُنہیں اُسی پر موڑ لینا ہو گا۔ گلی کے ختم ہوتے ہی 'ای' بلاک شروع ہو جائے گا۔

'ای' بلاک شروع ہو گیا۔

تھری وہیلر والے کو کرنل سوامی کا فلیٹ نمبر بتایا بابو جسونت سنگھ نے ـــــ 303 میں جانا ہے۔

تنگ اور چھوٹی گلیوں کے چکر زیادہ نہیں کاٹنے پڑے۔

'وہ رہا باؤ جی 303!' ڈرائیور نے قلعہ فتح کر لیا والے انداز سے انجن کو دو تین بار گُھر گُھرایا، پھر بند کر دیا۔

بابو جسونت سنگھ کے اُترے چہرے پر لٹوؤں کی لڑ جگمگائی۔ ڈرائیور سے اصرار بھرے لہجے میں بولے ـــــ

'اُترنے میں ذرا مدد تو کرو۔'

تھری وہیلر والے نے لپک کر اُن کے ہاتھ سے کیک کا ڈبا اور آئس کریم کا پیک تھام لیا۔ پھر خالی ہاتھ بڑھا کر اُترنے میں اُن کی مدد کی۔ زینے میں داخل ہونے سے پہلے بابو جسونت سنگھ نے گردن اُٹھا کر یہ بھانپنے کی کوشش کی کہ کرنل سوامی کا مکان کس منزل پر ہے۔

'تیسری منزل ہے باؤ جی، سامان گھر پر چھوڑ دوں؟'

جواباً بابو جسونت سنگھ نے خود کو تولا۔ پایا کہ سوچ کی اونچی پینگوں کے باوجود بیماری سے اُٹھا اُن کا کمزور ہوا جسم تیسری منزل کے نام پر اڑیل گھوڑی ہو رہی۔ کوئی راستہ نہیں، چڑھنا پڑے گا ہی، کیک کا ڈبا ضرور تنگ کرے گا۔ ایک تو اُسے الگ ہوشیاری سے اُٹھا کر لے جانا ہو گا۔ تا کہ کیک

کی آئسنگ نہ بگڑے۔ نام لکھوائے ہیں اُنھوں نے دونوں جڑواں بچیوں کے۔ چاہتے ہیں، جیسے ہی گلی گڈو کیک کا ڈبّا کھولیں، کیک پر اپنا نام لکھا دیکھ خوشی سے چیخ پڑیں۔ بابو جسونت سنگھ بھی اُن کے اپّو کی طرح اُن پر نہال ہونا چاہتے ہیں۔

کرنل سوامی کے لئے کچھ نہیں لیا۔ پھول لے لیتے؟ یا اُن کی من پسند وہسکی ــــ رایل چیلنج، حالانکہ شراب کی اُنھیں کمی نہیں۔ کینٹین سے ملنے والا اُن کا کوٹا اُن کا ہی نہیں، جان پہچان والوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے۔ پہلے سوجھا نہیں۔ پچھتانے کا اب کوئی جواز نہیں۔

ڈرائیور اُن کے پیچھے چڑھ رہا۔ کرنل سوامی سے ملاقات کی چاہت نے انجانے قدموں میں طاقت بھر دی ہے شاید۔ محسوس ہوا کہ فضول ڈر رہے تھے۔ کمزوری زبردست ہے، لیکن اتنی بھی نہیں کہ سیڑھیاں نہ چڑھ پائیں۔ نیچے ایک آئیڈیا سوجھا تھا۔ کرنل سوامی کو آواز لگا نیچے آنے کے لئے مجبور کریں۔ اگلے ہی لمحہ اپنی لڑکیاں بدھی پر ترس آیا۔ ریٹائرڈ سول انجینئر بابو جسونت سنگھ سٹھیا گئے ہو؟ شریفوں کا علاقہ ٹھہرا۔ اُجڈ گرمی پر کسی نے سیڑھیاں خاصی چوڑی ہیں اور آرام دہ۔

بالکنی اُن کا کمرہ ہے، سن کر کرنل سوامی کو اچنبھا لگا تھا۔ اُن کا سجھاؤ تھا کہ فلیٹ چھوٹا ہے تو بیٹے سے کہیے، نوئیڈا میں مکان لے لے۔ اتنی قیمت میں نوئیڈا میں خاصہ بڑا فلیٹ مل جائے گا۔ نیا فلائی اوور شروع ہو چکا ہے۔ ٹول ٹیکس بھرو اور منٹوں اور منٹوں میں ساؤتھ دلّی پہنچو۔ ایک سے ایک بہتر ریسٹورنٹ، پارکس، کلب، گولف، وہاٹ ناٹ، جہاں چاہے، جب چاہے،

بیٹھو، مستی مارو، مست رہو۔ جیسے کہ وہ رہتے ہیں۔ جہاں چاہتے، جب چاہے، بیٹھو، مستی مارو، مست رہو۔ جیسے کہ وہ رہتے ہیں۔ جن بزرگ درختوں کی کمی وہ میورو ہار فیز-1 محسوس کرتے ہیں ـــــ نوئیڈا اُن کی سرپرستی پل بڑھ رہا ہے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ اِس بابت نریندر سے کوئی بات کرنا بے معنی ہوگا۔ کیپٹل فیور کا کوئی کاٹ نہیں۔ کان پور والا گھر چوگنا بڑا ٹھہرا۔ باپ کے بڑھاپے کا خیال کر وہاں بھی رہا جا سکتا تھا۔ قابلیت وہاں بھی روزگار تلاش لیتی۔ لیکن ویسی خواہش ہوتی تب نہ۔ خواہش کے ساتھ ذمہ داری کا احساس۔

'ارے!' اُن موٹے تنے والے درختوں کی طرف اُن کا دھیان ہی نہیں پایا۔ جن کی شاخوں پر سینکڑوں طوطے دن بھر شور مچائے رہتے ہیں اور وہ درخت ٹھیک کرنل سوامی کے گھر کے سامنے ہی ہیں۔ بتایا تھا اُنہوں نے۔ چلو واپسی میں اُن کے ساتھ ہی اُن درختوں سے ملیں گے۔ طوطے بھی دیکھیں گے۔ ممکن ہوا تو اُن کے گھر کی بالکنی میں بیٹھ کر بھی دیکھا جا سکتا ہے......

اُکھڑی سانسوں نے دوسری منزل کی سیڑھیوں کی ریلنگ کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا بابو جسونت سنگھ کو۔

کلائی پلٹ کر وقت کا اندازہ لیا۔ گلی گڈو اسکول سے لوٹ آئی ہوں گی؟ سوا گیارہ ہو رہے ہیں۔ کرنل سوامی نے بتایا تھا اُن کے لوٹنے کا وقت یاد نہیں آ رہا، زور دینے پر بھی۔ پھر وہی چامک! گھسیٹ کر پٹخ دیتی ہے بھول بُھلیّا میں۔

بابو جسونت سنگھ کی دلی خواہش ہے کہ دروازہ کھلتے ہی گلی گڈو کرنل سوامی کے پیچھے چھپی گلہریوں سی گردن اُچھالتی اُن کی طرف تجسس بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی ملیں۔ وہ تپاک سے اُن کی طرف کیک کا ڈبہ بڑھا کر کہیں گے نہیں پہچانا؟ وہ ہیں اُن کے دادو نمبر دو۔ اُن کے لئے لائے ہیں نیرولاج سے اُن کا من پسند چاکلیٹ کیک! اور کساٹا آئس کریم ٹیسٹی ٹیسٹی......!

تیسرے منزل پہنچ کر بابو جسونت سنگھ نے ڈرائیور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، کیک اور آئس کریم اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے طے کیا کہ وہ تب تک 303 کی گھنٹی پر اُنگلی نہیں رکھیں گے جب تک اُن کی اُکھڑی سانسیں ہری جھنڈی نہیں دکھا دیں گی کہ اب وہ ٹھیک ہیں اور گھنٹی بجا سکتے ہیں۔ آمنے سامنے صرف دو فلیٹ نظر آ رہے ہیں۔ 302 پر کہنی مسٹر ایم این شریواستو کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ 303 پر اُن کے گریٹ گریٹ دوست کرنل سوامی کی۔

بے صبر ہو اُنہوں نے گھنٹی پر انگلی رکھ ہی دی۔ سانسوں کا کیا! سمجھ رہے ہیں۔ اُن میں کرنل سوامی سے ہونے والی ملاقات کی بے چینی بھی سمائی ہے۔ تیرہ دن تیرہ برس سے آ بیٹھے اُن دونوں کے درمیان کوئی آہٹ دروازے کے قریب نہیں آئی۔ دوبارہ گھنٹی پر انگلی رکھی۔ تیسری بار دیر تک رکھے رہے۔ لیچ کی طرف دیکھا۔ لیچ بتانے میں قاصر تھا کہ رہنے والے اندر ہیں بھی یا نہیں۔ حوصلہ بلوئی بُھر بُھرانے لگا۔ ششو وِنج سے گھر آئے۔ گھر کے سبھی لوگ چلے کہاں گئے؟ پھر وہی شکایت اُمڑی۔ جانا تھا کہیں تو کم سے کم اُنہیں فون پر اطلاع کر کے تو جاتے! پہلی بار اُنہیں کرنل سوامی

کے بیگانے اخلاق پر غصّہ آیا۔ نیچے اُتر جائیں یا پڑوس کی گھنٹی بجا کر حالات جان لیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مع اہل وعیال نوئیڈا میں ہی کہیں گئے ہوں۔ پڑوس میں کم سے کم حاضری درج کرا اُنہیں اطلاع تو دیا جا سکتا ہے کہ وہ اُن سے ملنے گھر آئے ہوئے تھے اور ان کی خیر و عافیت جاننے کے کتنے خواہاں ہیں! کتنا مس کر رہے ہیں اُنہیں!

پڑوسی بابو جسونت سنگھ کی بالکنی کے سامنے والے پڑوسی جیسے ہوئے تب؟

جھجھک نے ہاتھ باندھنے کی کوشش کی۔ کوشش کامیاب نہیں ہونے دی بابو جسونت سنگھ نے۔ پڑوسی بھلے ہی ہو سکتے ہیں۔ کون گھر کھانا کھانے آئے ہیں۔ آگے بڑھ کر مسٹر ایم این شریواستو کے گھر کی گھنٹی دبا دی انہوں نے۔ قدموں کی آواز نے مطمئن کیا۔ دروازہ کھلا۔ کھچڑی بالوں والی ادھیڑ عمر خاتون، جنہیں خوبصورت کہا جا سکتا تھا ــــــ تجسس سے بھری سامنے آئیں۔

'جی S؟'

بابو جسونت سنگھ ہچکچائے۔

'جی میں کرنل سوامی کا دوست جسونت سنگھ ہوں۔ اُن سے ملنے آیا ہوں!'

'کہاں سے آئے ہیں آپ؟'

'پاس ہی میوروہار سے۔ دراصل بہت دنوں سے وہ سیر پر نہیں آئے۔ سوچا، چل کر مل آؤں..... گھر پر کوئی نہیں ہے؟'

خاتون کی آواز اچانک تلخ ہوگئی۔

'آپ اُن کے دوست ہیں اور آپ کو نہیں معلوم؟'

’جی......‘

’آپ کے دوست کرنل سوامی اب اس دنیا میں نہیں رہے......‘

’مطلب؟‘

’ختم ہو گئے۔ ایشور کو پیارے ہو گئے۔‘

بابو جسونت سنگھ کو سمجھ میں نہیں آیا کہ اُن کا سر گھوم رہا ہے یا پوری عمارت ڈول رہی ہے۔ یا صرف اُس گھر کی دہلیز جہاں وہ کھڑے ہوئے ہیں۔ سہارا لینے کو انہوں نے 302 کے گھر کی دیوار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

عورت اُن کے لڑکھڑانے سے قبل سنبھل گئی۔ ہاتھ بڑھا کر سہارا دیتے ہوئے بابو جسونت سنگھ کو اندر آنے کے لئے دعوت دی، ’آیئے، اندر آیئے۔‘

اُنہیں دروازے کے صوفے کی پیٹھ سے ٹکا ’خاتون اُن کے لئے پانی لینے باورچی خانے کی طرف بڑھی۔ اُن کے ہاتھ کا سامان اُنہوں نے اُن سے لے کر اُن کی بغل میں رکھ دیا۔

پانی ٹھنڈا تھا۔ بابو جسونت سنگھ نے اُنہیں اشارے سے پانی کُنکُنا کر لانے کے لئے کہا۔

خاتون پانی گنگنا ہی نہیں کر لائی، بلکہ پانی میں دو چمچ گلوز بھی گھول لائی۔ پانی پی کر وہ صوفے کی پیٹھ سے ٹکا کر لگ بھگ شانت ہو گئے۔ تھوڑی کافی بنا لاتی ہوں۔ پی کر ٹھیک محسوس کریں گے۔

بابو جسونت سنگھ چاہ کر بھی منع نہیں کر پائے۔

باورچی خانے کی طرف جاتی ہوئی خاتون فکرمند سی پلٹیں۔

’آپ ٹھیک ہیں نہ! ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں آپ کو؟‘

'ٹھیک ہوں...... ہمارا حساب کتاب ابھی پورا ہونا باقی ہے مسز شریواستو۔غلط تو نہیں کہا اُنھوں نے خاتون کو؟

بابو جسونت سنگھ کو فوراً محسوس ہوا کہ اُن کے بے تکُے سے جملے نے مسز شریواستو کو مطمئن نہیں کیا۔طمانیت سے بول پانے کی ذہنی حالت میں وہ ہیں بھی نہیں۔پھر بھی اِس بات کو لے کر سوچا کہ کسی اجنبی خاتون کو خود کو لے کر بے وجہ فکر میں ڈالنا اُس کی انسانیت پر چوٹ ہوگی۔

صفائی سی دی انھوں نے ،'اِس المیہ جو جھیلنے کی ہمت جُٹا رہا ہوں۔'

کافی مسز شریواستو صرف اُن کے لیے ہی نہیں لائیں ،اپنے لئے بھی لے کر آئیں۔سوچا ہوگا،اُن کے ساتھ کافی پیتے ہوئے بابو جسونت سنگھ پرائے گھر کی اجنبیت سے نجات پا خود کو تھوڑا بہتر محسوس کریں گے،جس کی کہ اِن نازک لمحوں میں اُنہیں بہت ضرورت ہے۔

'کب......؟'

'آج اُنہیں گئے ہوئے بارہ دن ہو گئے۔30/نومبر کی صبح تھی وہ!'

'بھائی صاحب ہمیشہ کی طرح خوشی خوشی صبح کی سیر کے لئے نکلے۔سات آٹھ سیڑھیاں اُترتے ہی اُن کے سینے میں اچانک سخت درد اُٹھا۔درد سے بے حال وہ سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئے۔کچھ دیر بعد ہمت جٹا کر اُنھوں نے ہمارے گھر کی گھنٹی بجائی۔شریواستو جی نے دروازہ کھولا۔اُنہیں پسینے سے لت پت دیکھ کسی طرح صوفے پر لٹایا اور فوراً فیملی ڈاکٹر کو فون کیا۔اُنہیں دیکھتے ہی ڈاکٹر نے کہہ دیا ـــــ بھائی صاحب کو دل کا دورا پڑا ہے۔نرسنگ ہوم کے چکروں میں وقت برباد کرنا مناسب نہیں۔سیدھے لے جا کر

ایمرجنسی—— 'اپولوز میں داخل کیجیے۔ اُپولو لے جاتے ہوئے راستے میں اُنہیں دوسرا سیویئر اٹیک ہوا اور اس اٹیک کو بھائی صاحب جھیل نہیں پائے......'

اُس وقت کہاں تھے بابو جسونت سنگھ۔

اُسی میورو ہار والی پُلیا پر بیٹھے ہوئے اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ آنکھیں بھر آئیں اُن کی۔ ایسے بھی موت آتی ہے! اِس شکل میں۔ سیڑھیوں پر۔ اُنہیں سیڑھیوں کو پار کر وہ آئے ہیں اوپر۔

'گھر پر......بہوئیں، بچے سب کہاں گئے ہوئے تھے۔'

'کون سے بہو بچے۔' مسز شریواستو کو بابو جسونت سنگھ کے سوال نے بھونچک کر دیا۔

'مادھوی، انو شری، گلی گڈو......بیٹا شری نارائن......'

'پچھلے آٹھ برسوں سے ہم نے بھائی صاحب کو اکیلے ہی رہتے دیکھا ہے۔'

بابو جسونت سنگھ کو لگا کہ کسی نے اُنہیں تیسری منزل سے اُٹھا کر نیچے پھینک دیا ہے......

حیرت زدہ سے وہ مسز شیواستو کے ہونٹوں کا کھلنا اور بند ہونا دیکھتے رہے۔ کیا کہہ رہی ہیں محترمہ! چلمک کا روگ اُنہیں ابھی سے تو نہیں شروع ہو گیا۔

مسز سریواستو بتا رہی تھیں......اور جیسے دھواں پھیلنے لگا......

اور وہ دھنواں بابو جسونت سنگھ کو سرپیلی کنڈلیوں جیسا جکڑنے لگا......

94ء کی بات ہوگی۔ بیوی کی موت کے بعد کرنل سوامی بالکل اکیلے ہو گئے تھے۔ تینوں بیٹوں نے تب تک نئی نوکریاں پکڑ کر نئے مستقبل کی تلاش میں نئے شہروں کو اپنا ڈیرا بنالیا تھا۔ خالی وعدوں کے انبار پر اُنہیں بٹھائے ہوئے کہ بہت جلد اُن لوگوں کے لئے ممکن ہو پائے گا کہ اُن کے اپّو پن اُن کے ساتھ ہی رہ سکیں۔ بنگلور، حیدرآباد میں کچھ ہی وقت میں اُن کے اپنے چھوٹے موٹے فلیٹ بھی ہوگئے۔ پچھلی گرمیوں میں منجھلا شری نارائن آیا تھا۔ حیدرآباد سے۔ آیا وہ خاص منصوبے سے ہی تھا کہ اُن کے اپّو نوئیڈا والا چار کمروں والا فلیٹ بے وجہ رکھے ہوئے ہیں۔ فلیٹ فروخت کر کیوں نہیں اپّو اُس سے ملنے والی رقم تینوں بھائیوں میں تقسیم کردیں؟ اُن کے تنگ فلیٹ اب اُنہیں تنگ کررہے ہیں۔ تینوں نے اپنے اپنے شہر میں پلاٹ خرید لئے ہیں اور اب اُنہیں اِس بات کی ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ اپنے پلاٹوں پر وہ اپنے من پسند بنگلے کی تعمیر کر، جتنی جلد ہو سکے کھلے گھروں میں منتقل ہو کھل کر رہ سکیں۔ کُھل کر رہنے کے لئے اُنہیں خاصی رقم کی ضرورت ہے۔ لون کے چکّر میں بیٹھے بٹھائے پھنسنا اُنہیں منظور نہیں۔ منظور بھی کیوں ہو جب ذریعہ گھر میں موجود ہے۔

کرنل سوامی پہلے ہی راج نگر کے یعنی غازی آباد والے قیمتی پلاٹ کو فروخت کر اُنہیں فلیٹ خریدنے میں مدد کر چکے تھے۔ شری نارائن کی تجویز اُنہوں نے ٹھکرا دی۔ غصّہ میں شری نارائن نے باپ پر ہاتھ اُٹھا دیا۔ کرنل سوامی کے رونے چیخنے کی دردناک آواز سن کر مسٹر اور مسز سریواستو کا دل دہل اُٹھا۔ دروازہ بھڑ بھڑایا۔ شری نارائن سے اُنہوں نے دروازہ کھول

دینے کی آواز لگائی۔ شری نارائن نے اندر سے ہی اُن کو آپسی معاملے میں دخل نہ دینے کی دھمکی دی۔ گھبرائے شری واستو نے 100 ڈائل کر پولیس کی مدد بلا لی۔ پولیس نے دروازہ کھلوایا۔ لہولہان کرنل سوامی کو کیلاش اسپتال لے جایا گیا۔ بولنے کے قابل ہوتے ہی اُنہوں نے بیٹے کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے سے منع کر دیا۔ شری نارائن نے معافی مانگتے ہوئے اپنے اپّو کے پاؤں جو پکڑ لئے تھے......

بابو جسونت سنگھ نے انو شری کا ذکر کیا تھا! اُس کا قصہ بھی سن لیں۔ کم تکلیف دہ نہیں۔ ڈیڑھ سال کی معصوم جڑواں بیٹیوں کو چھوڑ اُس نے اپنے استاد رقص کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ پر رہنا شروع کر دیا تھا۔ بچیوں کو جتن سے اُن کی دادی نے پالا پوسا۔ یہیں اے پی جے اسکول میں نرسری میں اُنہیں داخل کرایا۔ اُن کی دادی کے نہ رہنے پر شری نارائن بچیوں کو آ کر لے گیا۔ اُسی درمیان کرنل سوامی کی خواہش نہ رہنے کے باوجود شری نارائن نے دوسری شادی کر لی اور بچیوں کو حیدرآباد میں ہی ہوسٹل میں ڈال دیا۔ بچیوں کی تصویریں کرنل سوامی نے پورے گھر میں لگا رکھی ہیں۔ بچیاں اُنہیں باپ سے چھپ کر جب تب فون کیا کرتی تھیں۔ شری نارائن سے چھپا کر وہ حیدرآباد بچیوں سے ملنے اکثر جایا کرتے تھے، ہوٹل میں رہتے تھے۔ کسی رشتہ دار کو بھنک نہیں لگنے دیتے تھے۔ بتایا تھا اُنہوں نے۔ ہوسٹل کی وارڈن ملٹری کے اُن کے ایک جگری دوست کی بیوہ ہیں۔

ایسی قصائی اولادوں سے آدمی نا اولاد بھلا۔ ہمیں اس بات کا کوئی غم نہیں کہ ہماری کوئی اولاد نہیں......' مسز سریواستو کا گلا بھرّا آیا۔

اُن لوگوں نے اُنہیں مورچری میں ہی رکھ دیا تھا۔

بڑے بیٹے اور اُن کی بیوی مادھوی کو بنگلور اطلاع دے دی گئی۔

بڑی مشکل سے سنگیت ناٹک اکادمی سے مادھوی جی کا بنگلور کا ٹیلیفون نمبر ملا۔ مسز شریواستو کو یاد تھا کہ اُنہیں پچھلے سال اکادمی اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ گھر پر نظر دوڑانے کے باوجود اُنہیں کوئی معلوماتی ڈرائری حاصل نہیں ہوتی۔ شام کی فلائٹ سے شوہر بیوی دہلی آ گئے۔ اُنہوں نے ہی بتایا کہ اور دونوں بھائی اڑچنوں کے چلتے 'داہ سنسکار' میں شامل نہیں ہو پائیں گے۔ ٹرین سے وقت پر پہنچنا مشکل ہوگا۔ ہوائی کرایہ پہنچ کے باہر کی بات ہے۔ پہلی کو کرنل سوامی کا 'داہ سنسکار' کر دیا گیا۔ چوتھے کے لئے رُکنے کا اُن کے پاس وقت نہیں تھا۔ پھول چُن کر بنگلور لوٹ گئے۔ بتایا کہ اُن لوگوں میں خاصہ دروہ کرم کانڈ ہوتا ہے۔ وہیں ہوگا۔ رشتہ داری بھی ساری وہیں ہے۔

گھر سے کیا اُٹھا کر لے گئے کیا نہیں ـــــ مسز سریواستو کو کوئی جانکاری نہیں۔ جاننے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ بڑے بیٹے شری واستو جی سے گزارش کی تھی کہ ـــــ انہوں نے بہت مدد کی۔ تھوڑی اور مدد کر دیں۔ گھر فروخت کرنا ہے۔ آس پاس کے پراپرٹی ڈیلر سے کہہ دیں۔ 303 فروخت کے لئے ہے۔ بنگلور کے گھر کا نمبر دے دیں اُنہیں۔ مناسب خبر ملتے ہی وہ فوراً آ جائیں گے۔ اُسی وقت ڈیتھ سرٹیفکیٹ لے کر بینک وغیرہ کا کام بھی انجام دے لیں گے۔ سامان بھی فروخت کرنا ہوگا۔ اُن لوگوں کے کسی کام کا نہیں۔ بلکہ اُنہیں تعجب ہے کہ اپّا اب تک بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی پر کیسے گزر کر رہے تھے؟

شام چار بجے کے لگ بھگ غریب بستیوں کے بچے آتے تھے کرنل سوامی کے پاس پڑھنے کے لئے۔ اپنی آمدنی کا تقریباً آدھا حصہ وہ اُنہی بچوں کی ضرورتوں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ ایسی ملائم اڈلی بناتے تھے کہ اچھے اچھوں سے نہ بنے۔ بچوں کو بڑے چاؤ سے کھلاتے تھے۔ میٹھو بڑا اور اڈلی۔ روز کی طرح پڑھائی کرنے آئے بچے اپنے ماسٹر جی کی موت کی خبر سن مرجھا سے گئے۔ دوسری صبح ان کے مردہ جسم پر لوٹ پوٹ کر روئے۔ ارتھی نہیں اُٹھنے دے رہے تھے۔ اُن کے ماں باپ نے بڑی مشکل سے اُنہیں قابو میں کیا۔

مسز سریواستو خود پر قابو نہیں رکھ پائیں۔ آنکھیں چراتے ہوئے اپنے آنسو آنچل سے صاف کرنے لگیں۔

خود اپنی آنکھ چھپانے کے لئے بابو جسونت سنگھ اچانک اُٹھ کھڑے ہوئے اور منہ پھرائے ہوئے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولے ــــــ 'چلتا ہوں......'

'بنگلور میں آج تیرہویں کا کام ہو رہا ہوگا۔ پرارتھنا کیجئے گا۔ ایشور کہیں ہے تو بھائی صاحب کی آتما کو شانتی دے......'

'ٹھہریئے۔' اگلے ہی لمحے مسز شریواستو نے کیک کا ڈبہ اور آئس کریم کا پیک اُن کی طرف بڑھایا، 'آپ کے ڈبے۔'

'غریب بستی کے بچے اب نہیں آتے۔'

'کس کے پاس آئیں گے؟ ماسٹر جی اُن کے رہے نہیں۔'

'آپ بستی جاسکتی ہیں؟'

لمحہ بھر کو مسز شریواستو خاموش ہوگئیں۔

'جاسکتی ہوں......'

جاسکتی ہیں تو اِس کیک کو اُن کے درمیان تقسیم کر دیجئے۔ تیرہویں کے 'پرساد' سے وہ کیوں محروم رہیں۔'

اُن کے دکھائی دینے تک مسز سریواستو سیڑھیوں پر کھڑی رہیں۔

ریلنگ کے سہارے سیڑھیاں اُترتے ہوئے بابو جسونت سنگھ ہر ایک سیڑھی پر ٹھٹھکتے ہوئے آگے بڑھے۔ کون سی سیڑھی ہے وہ! 'اُس سیڑھی پر وہ پاؤں نہیں رکھنا چاہتے۔ اُسے ہاتھ سے چھونا اور ٹٹولنا چاہتے ہیں۔ جان کہیں بھی نکلی ہوں، سانسیں چھوٹی یہیں سے شروع ہوئیں......

محاکمہ

نیچے اُترتے ہی بابو جسونت سنگھ نے ٹھٹک کر موٹے تنے والے درختوں کو تلاش کیا۔ درخت دور نہیں تھے۔ اُن کے بغیر ملے کیسے جاتے، جن میں پناہ لئے ہوئے سینکڑوں طوطوں کے سبز رنگ، اُن کی بولیوں، اور ان کے چہچہانے کی آواز اُنہیں کان پور والے گھر کی دہلیز پر لا کھڑا کرتی تھی اور اُنہیں سامنے والا برگد یاد ہو آتا تھا......

کتنی دفعہ کرنل سوامی نے اُن طوطوں کو بہلیوں کی گھات سے بچایا ہے۔ ایک آدھ کو پولیس سے بھی پکڑوا دیا ہے۔ سیکٹر-26 کے چوکیداروں کو انہوں نے سخت ہدایت دے رکھی تھی کہ ایسے کسی آدمی کو کالونی میں داخل نہ ہونے دیں، جسے دیکھ کر اُنہیں شبہ ہو کہ اتنا بڑا جھولا ہو کیوں ساتھ لٹکائے ہوئے ہے۔

سوکھی پیڑوں سے بھرا وہ بازوؤں میں نہ سماپانے والا نیم کا تنا تھا اور بے چین بابو جسونت سنگھ نے اُسے چھو کر نہیں ـــــــ اُس کے درمیانی حصے پر سر ٹکا کر، آنکھیں بند کیے اُسے محسوس کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک عجیب احساس اُنہیں سہرا گیا تھا۔ اُنہوں نے کبھی کرنل سوامی کے سینہ پر سر ٹکا کر نہیں دیکھا، مگر اُنہیں یہی لگا کہ اگر وہ اُن کے سینہ پر سر ٹکاتے تو یقیناً ہی اُنہیں ایسا ہی خوشی کا احساس ہوتا۔

شاید نیم کا درمیانی تنا اُنہیں کا سینہ ہو۔

شاید ارد گرد کے سارے بوڑھے درختوں کے تنوں میں اُنہیں کا سینہ سمایا

ہوا ہو؟ تھری وہیلر کی داہنی دیوار سے ٹک کر ہوا میں پھڑ پھڑاتے پردے کو اُنھوں نے پہلے کی طرح گھٹنے میں دبا کر ونڈسکرین کے فریم میں آگے تیز دوڑتی سڑک کو دیکھا۔

اُنہیں عجیب سا لگا اور آنکھیں کھولتے ہی کیوں لگ رہا ہے کہ اُنہیں ایک ہی چیز دو دو دکھائی پڑ رہی۔

اُن کے موتیابند کا آپریشن ہوئے برسوں گزر چکے ہیں اور تب سے پڑے آنکھوں کے لینس ٹھیک ٹھاک ہی کام کر رہے؟ چشمے کا نمبر تین سال قبل معمولی اضافہ لے کر اب وقت پر ہی چل رہا۔ پہلے کبھی ایسی شکایت نہیں محسوس ہوئی؟

ڈرائیور سے پوچھنا زیادہ بہتر لگا ___ اُسے بھی کہیں اُن کی طرح ایک ہی چیز دو دو تو نہیں نظر آ رہی؟ لینس تو نہیں کھسک گیا اُن کا؟

ڈرائیور نے اُنہیں سائڈ میں لگے ریئر ویو میں غور سے دیکھا۔ پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور اکڑتی نظر سے دیکھتا چلا آ رہا تھا۔

'باؤ جی سب ٹھیک ہے ___ اپنی اپنی آنکھیں پونچھ لیتیں ہیں......

اوپر والے نے جس کی جتنی لکھی ہوئی باؤ جی ___ اتنی ہی ہوتی ہے۔' اُن کی آنسوؤں کی دھار راز کھول چکی تھی کہ کوئی غمناک واقعہ ہو چکا ہے اور نہیں صبر نہیں!

بابو جسونت سنگھ اس بات پر چونکے۔ ہاتھ اچانک آنکھوں تک آیا۔

آنکھوں کی جھلجھلاہٹ اُنہیں پریشان کر رہی۔ ڈرائیور غلط نہیں کہہ رہا۔

اُنہیں نہیں یاد پڑتا اُن کی آنکھوں کے ریت نے کبھی اتنا پانی نہ اُنڈیلا ہو!

رومال ڈھونڈنے کے لئے اُنہوں نے کوٹ کی جیب ٹٹولی۔ اُن کی مٹھی میں رومال کاغذ سا گُرگُرا کیوں رہا ہے۔

اب تو دُھلنے کے بعد صرف بے ترتیب رومال ہاتھ لگتا ہے۔ اُنہیں کلف لگے استری کیئے ہوئے رومالوں کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ بہو سینا نے اُنہوں نے کہا بھی تھا۔ کلف کی ضرورت نہیں اب۔ استری ضرور کروا دیا کرے اُن کے رومالوں پر۔ بہو سینا نے جواب دیا تھا، پریس بہت مہنگی ہے دہلی میں۔ ننھے سے رومال کا دو روپیہ لگا لے گا پریس والا۔ سینکڑہ کا حساب چلتا ہے یہاں۔ چھوٹے بڑے کا نہیں۔

رومال کے ساتھ ایک بے ترتیب ہوئے کاغذا کے ہاتھ لگتے ہی بابو جسونت سنگھ حیرت زدہ ہوئے۔ آنکھیں خشک کر اُنہوں نے کاغذ کھول اندازہ لگانا چاہا کہ آخر یہ کیسا کاغذ ہے جو اُن کی کوٹ کی جیب میں برآمد ہوا ہے! بہت پہلے جیسا کہ اُنہیں یاد پڑتا ہے____ کوٹ کی جیب میں اُنہوں نے ایک کاغذ کا پُرزہ رکھا تھا اور وہ تھا کرنل سوامی کے گھر کا فون نمبر۔ اُنہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ ہاں، ایک اور پُرزہ ساتھ لے کر چلتے تھے۔ جس پر لکھا ہوا تھا کرنل سوامی کے گھر کا پتہ____

بابو جسونت سنگھ یہ دیکھ متحیر ہو اُٹھے، وہ کاغذ کوئی اور کاغذ نہیں، انیما داس کا کھویا ہوا نظم ہے۔ کتنی تلاش کی تھی اُنہوں نے، انیما داس کے لمبے نظم کو۔ نظم تھا کہ آنکھ مچولی میں مگن اُن کے ہاتھ لگ کر ہی نہ دی۔ نہ اُنہیں کچھ ٹھیک سے یاد آتا، نہ کرنل سوامی کو۔ اتنا ضرور کہا تھا اُنہوں نے____ پھر بھی کسی روز اچانک اُنہیں انیما داس کی نظم مل جائے تو وہ اُسے ضرور پڑھ لیں۔

آنکھوں میں واپس رہٹ کھل گیا۔ کاغذوں کو پیشانی سے لگا تھرّاتے ہونٹوں سے بابو جسونت سنگھ نے وعدہ کیا ـــــ نظم مل گیا ہے دوست! مل گیا ہے تو اب وہ اُن سے ہرگز کھو نہیں سکتا۔ سنبھال کر رکھیں گے اسے۔ سینے سے لگا کر پڑھیں گے۔ ڈوب کر ایک ایک سطر۔ بتائیں گے اُنہیں۔ جاننا چاہ رہے تھے نہ وہ ـــــ انیما داس کی لمبی نظم کیسا ہے! اُنہیں کیسا لگا؟

پڑھیں گے کب بابو جسونت سنگھ! رات کو؟ رات بہت دور ہے۔ اُس دوری کے چوڑے پاٹ کو بھرنے میں وقت برباد ہوگا۔ وہ بچپن ہو اُٹھے۔ ابھی کیوں نہیں؟ اُن کا چشمہ بائیفوکل ہے۔ پڑھ سکتے ہیں۔ پڑھ لینا چاہئے اُنہیں۔

اُنہوں نے آنکھیں خشک کیں اور انیما داس کی لمبی نظم پڑھنا شروع کر دیا......

بابو جسونت سنگھ ولد ٹھاکر سمیر یندر بہادر سنگھ ـــــ گاؤں سگ ور، پوسٹ سگ ور، ضلع اُناؤ (اتر پردیش)۔ اپنی زندگی کی وصیت بدل رہے ہیں۔ وہ صدیوں سے چلی آ رہی خاندانی روایت کو بدلنا چاہتے ہیں۔ اُسے نئے سرے سے نئے حروف میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اُنہیں سمجھ نہیں نہیں آتا کہ لوگ اپنی وصیت بدلنے کا 'جوکھم' کیوں نہیں اٹھانا چاہتے۔ اُنہیں کیوں نہیں سمجھ میں آتا کہ وصیت بدلے بغیر اُن کی زندگی میں رفتار ممکن نہیں۔

بہر حال بابو جسونت سنگھ اپنی زندگی کی رفتار کو جڑ نہیں ہونے دینا چاہتے۔ انہوں نے ابھی ابھی فیصلہ کیا ہے کہ گلیکسو اپارٹمنٹ پہنچنے سے قبل وہ تھری وہیلر والے کو زمان وہار قریب کے بازار میں رکوائیں گے۔ گوئیل ٹریول

ایجنٹ، سے پرسوں صبح کی شتابدی کا کان پور کا ٹکٹ کٹوائیں گے۔ پھر ایس ٹی ڈی بوتھ سے نیتا جی رام کھلاون یادو کے گھر فون کر سنگنیاں سے بات کروانے کے لئے کہیں گے۔ اس وقت ایک بجنے کو ہے اور ابھی سنگنیاں ان کے گھر دوپہر کا چوکا برتن نمٹا رہی ہوگی۔

بابو جسونت سنگھ سنگنیاں سے کہنا چاہتے ہیں ـــــ اپنے اور اُس کے رشتے کو وہ جو بھی نام دینا چاہے، اُنہیں قبول ہوگا۔ بتانا اُسے ہی ہے، اُنہیں نہیں۔ اُنہیں یہ بھی معلوم ہے کہ نام وہی چُن سکتی ہے اور دے بھی سکتی ہے۔ وہ اب تک، سچ کہیں تو، اُسے 'اُنام' روپ سے ہی اپنے اندر جیتے رہے ہیں۔ آگے بھی اُسے شاید اسی روپ میں جیتے رہتے اگر اُنہیں اچانک انیما داس کی ممیپفظم نہیں ملتی۔

بابو جسونت سنگھ سنگنیاں سے کہیں گے ـــــ آج وہ صرف اُن کی سنے۔ صرف اُن کی۔ آج جو وہ بولنا چاہ رہے ہیں آگے شاید اُسے سننے کی خواہش میں نہ بول پائیں۔ وہ زندگی کا وہ صرف اور صرف نیا پڑاؤ اپنی گلی گڈو ـــــ کا تیائی اور کُمدنی کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔ وہ کان پور والے گھر کے سامنے والے برگد کو اپنے گھر میں بونا چاہتے ہیں۔ نہیں بھول پاتے کہ علی الصبح اُن کے اُٹھنے سے قبل ایک چڑیا چہکتی ہے پھر کھوکھیاتی ہوئی سی وہ دوسری کو جگاتی ہے ـــــ دوسری تیسری کو، تیسری چوتھی کو، چوتھی پانچویں کو اور سینکڑوں چڑیاں جو انوکھے سُر لئے میں ایک ساتھ کورس شروع کرتی ہیں ـــــ چہچہاہٹ کا کورس ـــــ اُن کا روم روم خوشی سے جھوم اُٹھتا

ہے......

بابو جسونت سنگھ سنگنیاں سے یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ کانپور پہنچتے ہی وہ اپنے ایڈووکیٹ مٹا سنگھ گشواہا سے بلا تاخیر ملاقات کریں گے۔ اُن سے اپنی نئی وصیت بنوائیں گے اور اُسے رجسٹرڈ کروائیں گے کہ کان پور والا گھر اُن کی خاندانی ملکیت نہیں ہے۔ اُن کی جمع کی گئی ملکیت ہے۔ اُن کے نہ رہنے پر اُس گھر کی ایک واحد حقدار سنگنیاں ہوگی۔ وہ اُس کے نام بینک میں ایک لاکر بھی لینا چاہتے ہیں تاکہ آگے چل کر کسی بات کو لے کر اُسے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کسی چیلنج کا سامنا کرنا بھی پڑے گا تو اُنہیں پورا یقین ہے کہ چیلنجوں کا سامنا کرنے میں سنگنیاں پیچھے نہ رہے گی۔

نریندر کے اخلاق کا اُنہیں اندازہ ہے۔ اُن کے اِس اچانک بدلے اخلاق سے اُسے یقیناً ہی تکلیف ہوگی۔ اُن کے لئے نفرت پیدا ہوگی۔ ممکن ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر لے کہ اُن کی موت پر بال اُتروانا تو دور ــــــ آخری رسم میں بھی شامل نہیں ہوگا۔ وہ اُسے فضول عوامی رسومات میں نہیں گھسیٹنا چاہتے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا، اُس کے لئے خود ہی ذمہ دار ہونا چاہتے ہیں۔ سنگنیاں سے وہ کہہ کر جائیں گے اور اُسے اپنی وصیت میں واضح طور پر لکھوا بھی دیں گے کہ سنگنیاں کا بیٹا رام رتن اُن کی چِتا کو آگ دے۔ اُسے ہی وہ اپنے 'داہ سنسکار' کا ادھیکار دے رہے ہیں۔

'ہاں، دوپہر کا کھانا سنگنیاں اُن کے لئے بنا کر رکھے۔ شتابدی میں وہ صرف ناشتہ بھر کریں گے۔ اُنہیں کیا پسند ہے ــــــ اُسے پتہ ہے۔

سنگنیاں سے اُن کا اور بھی بہت کچھ کہنے کا دل چاہتا ہے۔ بہت ساری

باتیں ہیں۔ مگر یہ سوچ کر خود کو روکے لے رہے ہیں کہ اب کہنا سننا دونوں کے درمیان بنا ہی رہے گا۔ زیادہ جلد بازی مناسب نہیں۔ فون پر بس اتنا ہی ـــــ اور یہیں تک۔

(ختم شد)